طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
15/- روپے

ٹیلیفون : 5714546/5753666
Idara@toluislam.com
خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ لاہور

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان 170- روپے
غیر ممالک 800- روپے

جلد 53 نومبر 2000 شمارہ نمبر 11

Bank Account Number 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

ادارت محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
بشیر احمد عابد (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)

اکاؤنٹنٹ : مرزا زمرد بیگ
سرکولیشن مینجر و کمپوزر: شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری
ناظم :- اقبال ادریس
ناشر :- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور--- فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
نماز کی اہمیت	غلام احمد پرویز	5
ہم نے جو طرز فغاں کی ہے قفس میں ایجاد	ادارہ	9
فقہ حنفی کی دفعہ وار تدوین	عبداللہ ثانی	13
ع وذ	ادارہ	17
پانچواں سوار	شاہدہ ندیم	19
قرآن اور ہم	خان افضل آفریدی	21
امانت، خیانت، اور ہم	پروفیسر محمد رفیع	26
اسلامی نظام کا نفاذ کب اور کیسے	(الاشعری)	30
اپنا حلقہ اثر بڑھائیے	عاطف طفیل	36
ہمارا معاشی نظام۔۔ ماضی اور حال	ناصر عالم	40
حقائق وعبر	ادارہ	43

ENGLISH SECTION

Islam A Way of Life 54

By Imran Atcha

Unknown Voices 56

By Tanvir Anjum Muftee

The Bible word of God or word of Man? 64

By A.S.K. Joomal

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

احتساب خویش

کارگہِ حیات کا تمام نظم و نسق سعی و عمل پر چل رہا ہے۔ اور یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ مساعی و اعمال صحیح نتائج بھی مرتب کر رہے ہیں یا نہیں' ان کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اس کا نام محاسبۂ نفس ہے'جو راہرو یہ نہیں دیکھتا کہ اس نے کس قدر مسافت طے کرلی ہے اور باقی راستہ کتنا رہ گیا ہے اسے منزل تک پہنچنے کی حتمی امید نہیں رکھنی چاہئے' اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی دوراہے پر وہ غلط موڑ مڑگیا ہو اور اس کے بعد وہ ہرچند چلا جا رہا ہو لیکن اسے اس کا احساس تک بھی نہ ہو کہ اس کا ہر قدم اسے منزل سے دور تر کرتا چلا جا رہا ہے۔ جو مریض' مقیاس الحرارت کی جدول مرتب نہیں کرتا وہ کبھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کا علاج صحیح ہو رہا ہے یا نہیں۔ جو دکاندار کبھی اپنا ہی کھاتہ نہیں ملاتا اور وقتاً" فوقتاً" اپنی (Stock Taking) نہیں کرتا وہ کبھی نہیں محسوس کر سکتا کہ اس کی تجارت نفع مند ہے یا اسے خسارہ کی طرف لئے جا رہی ہے۔ پھر جب انفرادی زندگی میں محاسبۂ نفس یا جائزۂ اعمال کی اس قدر ضرورت ہے تو ظاہر ہے کہ اجتماعی زندگی میں یہ ضرورت اور بھی اہم و اشد ہو جاتی ہے۔ جو قوم یہ نہیں دیکھتی کہ بساطِ سیاست پر اس سے کون سی چال غلط چلی گئی اسے بازی جیتنے کی بہت کم توقع رکھنی چاہئے۔ جو اس کا اندازہ نہیں کرتی کہ فلاں دوراہے پر اس کا قدم کس طرف اٹھ گیا وہ جہانِ مسابقت و دنیائے منافست میں امامت و قیادت کی امیدوار نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ جائزہ و موازنہ اور محاسبہ و مقابلہ ہے جسے بالفاظ دیگر تنقید کہتے ہیں۔ متاعِ زندگی کی صحیح پرکھ محکِ نقد و نظر پر ہی ہو سکتی ہے جو اپنی تنقید آپ کرلیتا ہے اسے پھر کسی دوسرے کی تنقید سے ڈرنے اور جھجکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ اپنے مال کی قیمت کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے وہ اسے دنیائے بیع و شریٰ کی ہر منڈی میں بلا تردد و تامل پیش کر دیتا ہے۔ لیکن جو قوم تنقیدِ اعمال کو برداشت نہیں کرتی وہ ہمیشہ دوسروں کے مقابلہ میں آنے سے گھبراتی اور خوف کھاتی ہے۔ اس لئے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتی۔

اس میں شبہ نہیں کہ ایک تنقید غیروں کی ہوتی ہے جس کا مقصد تخریب کے سوا کچھ نہیں ہوتا لیکن ایک تنقید خود اپنوں کی ہوتی ہے جو صحیح تعمیر کی بنیاد بنتی ہے۔ ایک تنقید گل چیں کی ہے جس کا ماحصل غارت گریٔ متاع ہوتا ہے۔ لیکن ایک تنقید باغباں کی ہوتی ہے جس کا مآل برومندی و ثمر آوری ہوتا ہے۔ ایک نوکِ شمشیر دشمن کی ہوتی ہے جس سے انسان عمر

بھر کے لئے اندھا ہو سکتا ہے اور ایک نوکِ شمشیر مشفق جراح کی ہوتی ہے جو دیدۂ کور میں پھر سے بینائی لے آنے کا موجب بنتی ہے۔ جو قومیں اپنے مزاج و کردار میں پختگی تک پہنچ جاتی ہیں وہ اپنے تو اپنے، غیروں کی تنقید سے بھی نہیں ڈرتیں بلکہ ان سے بھی فائدہ اٹھا لیتی ہیں۔ لیکن جو قوم خود اپنوں کی تنقید (یا محاسبۂ نفس) سے بھی گھبراتی ہے، یقین مانئے کہ اسے اس کارگہِ سعی و عمل میں، کہ جہاں تنازع للبقاء (Struggle for existence) کا محکم گیر قانون بلا رعایت ہر وقت سرگرم عمل ہے زندہ رہنے کا کبھی حق نہیں دیا جا سکتا۔ جو طالب علم امتحان سے گھبراتا ہے وہ دنیائے علم و فضل میں کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو قوم اپنے اعمال کو میزانِ احتساب میں تولنے سے جھجکتی ہے اس کے حصہ میں قیام نہیں ہے۔ لہٰذا زندہ یا زندگی کی آرزو مند قوم کو اپنے محاسبۂ نفس یا تنقیدِ اعمال سے کبھی تسامح نہیں برتنا چاہئے۔ اگر تنقیدِ خالص یا احتسابِ خویش ہمیں بتاتا ہے کہ فلاں مقام پر ہم غلطی کر گئے ہیں تو اس میں سبکی کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے بدبختی سے غلطی کو گناہ سمجھ رکھا ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ جس طرح ہم سے ہر شخص اپنے آپ کو (بطور کسرِ نفسی) گناہ گار کہتا ہے لیکن جب اس کے کسی واقعی گناہ کی طرف اشارہ کیجئے تو وہ اس کا کبھی اعتراف نہیں کرتا۔ اسی طرح ہم بطور اصول تو ہر وقت کہتے ہیں کہ غلطی انسان کی فطرت میں ہے (To err is human) لیکن جب کسی غلطی کو اس کے سامنے لائیے تو وہ اس کے اعتراف سے اسی طرح گھبراتا ہے جیسے کوئی ملزم، اقبالِ جرم سے۔ وہ پوری کوشش کرے گا کہ کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کر دے کہ جسے ہم اس کی غلطی کہتے ہیں وہ یا تو غلطی تھی ہی نہیں، عین راہِ صواب تھی، یا اگر غلطی تھی تو اس کی نہیں تھی کسی اور کی وجہ سے تھی۔ خواہ ایسا کرنے میں اسے کتنے ہی لچر دلائل اور کیسی ہی پوچ توجیہات سے کام کیوں نہ لینا پڑے۔ حالانکہ غور سے دیکھئے تو غلطی گناہ کی بات نہیں جس سے اس قدر شرمایا جائے۔ غلطی تو انسانی فکر و عمل کی حریت کی دلیل ہے۔ یہ تو اس کے اختیار و ارادہ کی آئینہ دار ہے۔ پتھر کبھی غلطی نہیں کرتا اور اسی طرح فرشتہ سے بھی غلطی کا امکان نہیں۔ اس لئے کہ انہیں اپنے فیصلوں میں کوئی اختیار و ارادہ نہیں دیا گیا۔ انسان کو اختیار و ارادہ دیا گیا ہے جس کے استعمال میں اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ انہی غلطیوں سے سبق حاصل کر کے قومیں آگے بڑھتی ہیں۔ تجربہ، جو نوعِ انسانی کے تمام کسب و ہنر اور متاع و حاصلِ زندگی کی بنیاد ہے، غلطیوں سے حاصل کردہ اسباق کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا غلطی کوئی جرم نہیں، گناہ نہیں۔ البتہ غلطی پر اصرار، حماقت ہے اور جرمِ عظیم اور یہ اصرار بسا اوقات (بلکہ بیشتر) اس صورت میں ہوتا ہے کہ قوم اپنے اعمال کا جائزہ نہیں لیتی اور انہیں تنقید کی محک پر نہیں پرکھتی، اس لئے اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں کہاں غلطی کر گئی ہے اور اس طرح نادانستہ غلطیوں پر اصرار کئے جاتی ہے۔ لیکن غلطی پر اصرار یا اس کی تکرار، خواہ دانستہ ہو خواہ نادانستہ، نتائج کے اعتبار سے یکساں ہوتی ہے۔ سنکھیا دانستہ کھائیے یا نادانستہ، اس کی سمیت تو بدستور اپنا کام کر جائے گی۔ لہٰذا وہی شخص قوم کا صحیح مشفق و ہمدرد ہے جو اسے اس کی غلطیوں پر متنبہ کرے اور وہی قوم سلامتی کی راہ پر چل سکتی ہے جو اس تنبیہہ و تنذیر پر چیں بجبیں ہونے کی بجائے اسے خندہ پیشانی سے قبول کرے اور ان غلطیوں کی روشنی میں آئندہ صحیح قدم اٹھائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز کی اہمیت

ایک صاحب نے مجھ سے حسب ذیل سوالات دریافت کئے ہیں۔

(1) آپ کہتے ہیں کہ اسلام قوانین خداوندی کا نام ہے۔ اس میں نماز کی اہمیت اور مقام کیا ہے؟

(2) نماز اور صلٰوۃ میں کیا فرق ہے۔ آپ نے کہیں اس کی صراحت کی ہے کہ صلٰوۃ سے مراد نماز ہے؟

(3) کیا آپ نماز کی موجودہ شکل کے علاوہ کوئی اور شکل تجویز کرتے ہیں؟

جواب

(1) اسلام نام ہے زندگی کے ہر شعبے میں احکام خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا۔ ان کی پوری پوری اطاعت کرنے کا۔ نماز' اس طرح سر تسلیم خم کرنے کا عملی اعتراف اور محسوس مظاہرہ ہے۔ خدا کے سامنے سر جھکا دینے (سجدہ ریز ہو جانے) سے انسان اس امر کا اقرار (یا اظہار) کرتا ہے کہ وہ اپنے ہر ارادے' فیصلے اور عمل میں اس کے احکام کی اطاعت کرے گا۔ جس کا دل' جذبات فرماں پذیری اور اطاعت گزاری سے لبریز ہو' اس کا سر خود بخود خدا کے حضور جھک جائے گا اور جو خدا کے حضور سر جھکانے میں عار یا ... محسوس کرتا ہے وہ اس کی اطاعت کیا کرے گا؟ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ جو شخص زندگی کے مختلف ... میں قوانین خداوندی سے سرکشی برتتا ہے' اس کا نماز میں رسمی طور پر سر جھکا دینا' مقصد صلٰوۃ کو پورا نہیں کر سکتا۔

(2) نماز فارسی (بلکہ پہلوی) زبان کا لفظ ہے جو اہل ایران کے قدیم طریق پرستش کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں یہ لفظ' اجتماعات صلٰوۃ کے لئے استعمال کر لیا گیا اور اب ہمارے ہاں یہی لفظ مروج ہے (میں سمجھتا ہوں کہ جو اصطلاحات قرآن کریم نے مقرر کی ہیں انہیں اسی طرح استعمال کرنا زیادہ اچھا ہے) قرآن کریم میں صلٰوۃ کا لفظ آیا ہے جو معنوی اعتبار سے بڑا وسیع اور جامع ہے۔ اس کے بنیادی معنی کسی کا اتباع یا اطاعت و محکومیت اختیار کرنا ہیں۔ قرآن کریم نے اس لفظ کو نماز کے اجتماعات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ لہٰذا جب ہم نماز کا لفظ بولیں گے تو اس کا مطلب صرف نماز ہو گا۔ لیکن جب صلٰوۃ کا لفظ استعمال کریں گے تو اس میں نماز بھی آجائے گی اور اس کے علاوہ اور مفہوم بھی۔ میں نے اکثر مقامات پر اس کی صراحت کر دی ہے کہ صلٰوۃ کا لفظ نماز کے اجتماعات کے لئے بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ مثلاً لغات القرآن میں لفظ صلٰوۃ (مادہ ص۔ ل۔ و (ی) کے تحت آپ کو یہ عبارت ملے گی۔

صلٰوۃ کے جو مختلف مفاہیم اوپر بیان ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ ایک عبد مومن' زندگی کے جس گوشے میں بھی قوانین خداوندی کے مطابق اپنے فرائض منصبی ادا کرتا ہے وہ فریضہ صلٰوۃ ہی کو ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے لئے وقت'

مقام یا شکل کا تعین ضروری نہیں۔ لیکن قرآن کریم میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صلٰوۃ کا لفظ ایک خاص قسم کے عمل کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

اس کے بعد قرآن کریم کی وہ آیات دی گئی ہیں جن میں صلٰوۃ کا لفظ نماز کے لئے آیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم میں صلٰوۃ کا لفظ ان اجتماعات کے لئے بھی آیا ہے جنہیں عام طور پر نماز کے اجتماعات کہا جاتا ہے۔ (نماز کا لفظ عربی زبان کا نہیں۔ پہلوی زبان کا ہے)۔

اس کے بعد ارکان صلٰوۃ کی اہمیت کے سلسلے میں لکھا ہے۔

انسان اپنے جذبات کا اظہار جسم کے اعضا کی محسوس حرکات سے بھی کرتا ہے اور یہ چیز اس میں ایسی راسخ ہو چکی ہے کہ اس سے یہ حرکات خود بخود سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ غم و غصہ، خوشی، تعجب، عزم و ارادہ، ہاں اور نہ، وغیرہ قسم کے جذبات اور فیصلوں کا اظہار، انسان کی طبیعی حرکات سے بلا ساختہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی کیفیت جذبات عزت و احترام اور اطاعت و انقیاد کے اظہار کی ہے۔ تعظیم کے لئے انسان کا سر بلا اختیار نیچے جھک جاتا ہے۔ اطاعت کے لئے "سر تسلیم خم" ہو جاتا ہے۔ اگرچہ قرآن کریم عمل کی روح اور حقیقت پر نگاہ رکھتا ہے اور محض (Formalism) کو کوئی وزن نہیں دیتا، لیکن جہاں کسی جذبہ کی روح اور حقیقت کے اظہار کے لئے (Form) کی ضرورت ہو، اس سے روکتا بھی نہیں۔ بشرطیکہ اس (Form) ہی کو مقصود بالذات نہ سمجھ لیا جائے۔ صلٰوۃ کے سلسلہ میں قیام و سجدہ وغیرہ کی جو عملی شکل ہمارے سامنے آتی ہے وہ اسی مقصد کے لئے ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ان جذبات کا اظہار اجتماعی شکل میں ہو گا تو اظہار جذبات کی محسوس حرکات میں ہم آہنگی کا ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے، ورنہ اجتماع میں انتشار ابھرتا دکھائی دے گا۔ احترام و عظمت، انقیاد و اطاعت اور فرماں پذیری و خود سپردگی کے والہانہ جذبات کے اظہار میں نظم و ضبط کا ملحوظ رکھنا بجائے خویش بہت بڑی تربیت نفس ہے۔

مفہوم القرآن میں قرآنی اصطلاحات کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔

قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاح "اقامت صلٰوۃ" ہے جس کے عام معانی نماز قائم کرنا یا نماز پڑھنا کے ہیں۔ اس لئے صلٰوۃ میں، قوانین خداوندی کے اتباع کا مفہوم شامل ہو گا۔ بنا بریں اقامت صلٰوۃ سے مفہوم ہو گا ایسے نظام یا معاشرہ کا قیام جس میں قوانین خداوندی کا اتباع کیا جائے۔ یہ اس اصطلاح کا وسیع اور جامع مفہوم ہے۔ نماز کے اجتماعات میں قوانین خداوندی کے اتباع کا تصور، محسوس اور سمٹی ہوئی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس اصطلاح کو ان اجتماعات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ قرآنی آیات پر تھوڑا سا تدبر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کس مقام پر اقامت صلٰوۃ سے مراد اجتماعات نماز ہیں اور کس مقام پر قرآنی نظام یا معاشرہ کا قیام۔ مفہوم القرآن میں یہ معانی اپنے اپنے مقام پر واضح کر دیئے گئے ہیں۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ میں نے صلٰوۃ کے معنی نماز اور اقامت صلٰوۃ کے معنی اجتماعات صلٰوۃ کا قیام واضح الفاظ میں دیئے ہیں اور اس سے مراد وہی نماز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں۔

(3) ایک مقام پر نہیں، متعدد مقامات پر اور ایک مرتبہ نہیں، متعدد بار اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ امت کے مختلف فرقے جس جس طریق سے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں ان میں کسی قسم کے رد و بدل کرنے کا حق کسی

...ں ہیں۔ اسی وجہ سے میں فرقہ اہل قرآن سے بھی ... رہتا ہوں جنہوں نے اپنے لئے الگ نماز تجویز کر ... ہے۔ البتہ میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں میں ... سے خلافت علیٰ منہاج نبوت کا قیام ہو جائے اور وہ تمام امت کے لئے نماز کی ایک ہی شکل تجویز کر دے تو یہ امت میں وحدت پیدا کرنے کے لئے بڑا موثر اقدام ہو گا۔ یہ تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ عہد رسالت مآبؐ اور خلافت راشدہ میں' امت ایک ہی طریق پر نماز ادا کرتی ہو گی۔ اس وقت امت میں وحدت تھی۔ اس لئے جب ہم پھر سے اسی عہد سعادت مہد کی طرف رخ کریں گے تو امت میں وحدت پیدا کرنے کی کوشش بھی ضرور کرنی ہو گی اور نماز اس کا بہت بڑا ذریعہ ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اب امت میں وحدت پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں' تو میں اس سے بحث نہیں کرتا۔

("طلوع اسلام" نومبر و دسمبر 1961ء ص 12)

نماز کی اہمیت

میں نے ایسی باتیں بھی سنی ہیں کہ بعض اراکین بزم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اب جو اسلام کو سمجھا ہے' اس کی بناء پر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا "طلوع اسلام" نے آپ کو یہی تعلیم دی ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر فخر کرو؟ آپ نے غیر قرآنی روش زندگی کو تو نہ چھوڑا' اور اس کے بجائے اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے۔ اور ستم بالائے ستم کہ اپنے آپ کو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستہ ظاہر کر کے ایسی باتیں کرنے لگے۔ طلوع اسلام پر آخر یہ کتنا بڑا الزام ہے جو آپ نے عائد کر دیا۔

ذاتی طور پر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن یہ انتہائی ظلم ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کے لئے جواز کی صورتیں تلاش کرنے لگ جائیں۔ آپ قرآنی نظریات کے خلاف سب کچھ کر رہے ہیں۔ تجارت' کاروبار' شادی' رشتے ناطے سب کچھ ہو رہا ہے۔ بینک بیلنس برابر قائم ہیں۔ قرآن کے مطابق انہیں بدلنے کے لئے آپ کے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا۔ پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟ (بعض گوشوں سے آوازیں آئیں کہ یہ بھی ہمارے مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے جو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستگی ظاہر کر کے اس قسم کی باتیں مشہور کرتے رہتے ہیں۔ محترم پرویز صاحب نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا) ہم معاشرے میں اصلاح کا آغاز اپنے گھروں سے ہی کر سکتے ہیں لیکن اگر پہلے خود ہی نماز روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہو گی؟ خدارا اپنے قول و عمل کو بصیرت' علم اور خلوص پر مبنی رکھیئے۔ "مقدس بہانے" تلاش نہ کیجئے بلکہ اعتراف کیجئے اپنی کمزوریوں کا۔ ہم نے قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے جو صرف نیک اور پاکباز زندگی بسر کرنے سے قائم ہو سکے گا۔

(منزل بہ منزل از پرویز' ص 35-36)

غلط فہمی کا ازالہ

ہماری ہر محفل میں الصلٰوۃ کا بحیثیت نظام جس طرح بار بار ذکر آتا ہے اس سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے کہ ہم نماز کے وقت اجتماعات کی اہمیت کے قائل نہیں۔ ...... صلٰوۃ کا وقتی اجتماع بھی قرآن ہی کا ارشاد ہے اور یہ الصلٰوۃ کے عالم آرا نظام ہی کی سمٹی ہوئی تصویر ہے۔ جو شخص نماز کی اہمیت کو کم کرتا ہے وہ طلوع اسلام کے خلاف فتنہ و شرارت کا محرک ہے اور ایسی مذموم حرکت کسی طرف سے نہ تو دانستہ ہونی چاہئے اور نہ نادانستہ۔

(ماہنامہ طلوع اسلام' مئی 1959ء ص 14)

اپیل

یہ امر باعثِ تاسف ہے کہ تحریک طلوع اسلام کا اولیں گہوارہ کراچی شہر گزشتہ باون برسوں سے بزم طلوع اسلام کے مستقل آفس سے محروم ہے۔ آئے دن کی نقل مکانیوں کے باعث نہ صرف اراکین کی توانائیاں مایوسی کا شکار ہو کر گرم جوشی کے عنصر سے محروم ہو جاتی ہیں بلکہ بعض احباب مزید ساتھ چلنے کی بجائے گوشہ گمنامی میں چلے جاتے ہیں۔ یوں تو کراچی شہر کروڑوں نفوس پر مشتمل ہے مگر تخلیق پاکستان کے بعد اہل سیاست اور سرمایہ دار طبقات نے ''مذہب'' کو اس قدر طاقتور بنا دیا ہے کہ تحریک طلوع اسلام کو چومکھی دشواریوں کا سامنا ہے۔ بزم کراچی سال ہا سال کے تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کرایہ پر حاصل کردہ جگہ پر چند مہینوں سے زیادہ دیر تک پرسکون ماحول میں درس قرآن منعقد نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مالکانہ حقوق ہی مستقل بنیاد فراہم کرتے ہیں کہ پراپرٹی ادارہ کے نام پر خریدی جائے۔ تحریک طلوع اسلام کو بزم کراچی کے لئے ایک مستقل آفس کی اشد ضرورت ہے اس کے لئے گرانقدر عطیات درکار ہیں۔ دین اسلام کی سربلندی اور قرآنی معاشرہ کی تشکیل کے خواہاں معزز خواتین وحضرات سے اپیل ہے کہ وہ اپنے گرانقدر عطیات دے کر اس عظیم کار خیر میں حصہ ڈالیں۔ عطیات اکاؤنٹ نمبر 3082-7 (کراچی بلڈنگ پراجیکٹ) نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ برانچ، گلبرگ 2 لاہور میں بذریعہ چیک، پے آرڈر یا کیش بھجوا سکتے ہیں۔ تحریک کو گیارہ لاکھ روپے درکار ہوں گے تاکہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر کے لئے 720 مربع فٹ کا ہال (1300 روپے فی مربع فٹ) جو شاہراہِ فیصل پر واقع پارک ایونیو کی عمارت میں ہے مستقل آفس قائم ہو سکے۔ واضح رہے یہ بلڈنگ ادارہ طلوع اسلام لاہور کی ملکیت ہوگی۔ براہ کرم کراچی بزم آفس فنڈ کے لئے بھیجی جانے والی رقم کی اطلاع ادارہ کو ضرور ارسال فرمائیں۔ شکریہ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم نے جو طرزِ فغاں کی ہے قفس میں ایجاد
فیضؔ گلشن میں وہی طرزِ بیاں ٹھہری ہے

7 اکتوبر 2000ء کے روزنامہ جنگ میں ایک اداریہ شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "پوری قوم کو مل کر فرقہ واریت اور کشیدگی دور کرنا ہو گی"۔ "طلوع اسلام" واحد ادارہ ہے جو گزشتہ نصف صدی سے مسلمانوں میں تشتت و افتراق کے تباہ کن نتائج و عواقب سے نہ صرف متنبہ کرتا چلا آرہا ہے بلکہ اس کے علاج کی نشان دہی بھی قرآن کریم کی روشنی میں مسلسل کر رہا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصہ سے حکومتی حلقوں میں (اگرچہ حکومت اب بھی اس سلسلہ میں کوئی سنجیدہ اقدام کرنے سے گریزاں ہے) اور قومی اخبارات کے اداریوں میں بھی فرقہ واریت کی لعنت کے خاتمے سے متعلق فکر و تردد کا اظہار ہونے لگا ہے۔ ہم بالفاظ اقبال علیہ الرحمۃ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ؎

گیا وقت تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

ادارہ طلوع اسلام اپنے سالانہ کنونشن کے موقعہ پر 5 نومبر 2000ء کو ایک سیمینار بعنوان "قرآن اور فرقہ واریت" منعقد کروا رہا ہے جس میں ملک کے چوٹی کے دانشوروں کو اس موضوع پر اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز ایک پمفلٹ بعنوان "فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں" بھی بڑی تعداد میں شائع کیا جا رہا ہے تاکہ عامتہ الناس میں اس موضوع پر آگاہی کو فروغ دیا جا سکے۔ اب آپ ملاحظہ فرمایئے روزنامہ جنگ کا 7 اکتوبر کو شائع ہونے والا اداریہ۔

(مدیر)

پوری قوم کو مل کر فرقہ واریت اور کشیدگی دور کرنا ہو گی

وزیر داخلہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) معین الدین حیدر نے ...ـــ سے فرقہ واریت کے خاتمے اور مسلکی تعصبات کو دور ...نے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے یہ قابل غور و فکر ...وال اٹھایا ہے کہ الگ الگ جھنڈے اٹھا کر مذہبی جماعتیں ...ملک میں کونسا اسلام نافذ کرانا چاہتی ہیں؟ لاہور میں ایک ...ـــ سے خطاب میں وزیر داخلہ نے اس امر پر افسوس کا ...کیا ہے کہ مذہبی جماعتوں والے دوسروں کو اتحاد کا درس ...مگر خود ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجدوں کے امام ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمیں اتحاد و یکجہتی اور معاشرے کے سدھار کے لئے پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اور اپنی خرابیوں کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے لیکن آج صورتحال یہ ہے کہ اپنا گھر ٹھیک نہیں ہے اور ہم دوسروں کے گھر جا کر جہاد کر رہے ہیں۔ وزیر داخلہ نے دین کے نام پر سرگرم جماعتوں سے یہ بھی سوال کیا ہے کہ ملک میں بے شمار دینی جماعتیں ہیں ہماری 99 فیصد آبادی بھی مسلمان ہے اگر دینی جماعتیں واقعی موزوں' مفید اور مناسب طور پر کام کر رہی

اب تک کے الیکشنوں میں اچھے نتائج کیوں نہیں دکھا پائیں؟ بلا شبہ موجودہ قومی زندگی میں ہمہ جہت افسوسناک انحطاط کو سامنے رکھیں تو وزیر داخلہ کے مذکورہ صدر دو سوال انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ آج کے حالات میں ان سوالوں کا محض جذباتی بیان بازی اور لفاظی سے جواب دینے سے کام نہیں چلے گا اس کے لئے سنجیدگی سے غور و فکر کر کے ان تمام اسباب و وجوہ کو دور کرنے کا بندوبست کرنا ہو گا جن کے نتائج صرف پاکستانی معاشرے پر ہی انتہائی منفی طور پر اثر انداز نہیں ہو رہے ہیں بلکہ عالمی سطح پر کئی اختلافی حوالوں سے مسلمانوں کے اپنے وجود و کردار کو مسخ کرنے میں بڑا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے اور اس سے کسی طور اب صرف نظر کی گنجائش بھی نہیں ہے کہ ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی مساجد اور دینی مدارس ترجیحاتی طور پر مسالک کے اختلافات کی ترویج و تبلیغ کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں اس سے نہ صرف فرقہ واریت کی لعنت کو فروغ میسر آیا ہے بلکہ مسلمانوں میں لازمی اتحاد و یکجہتی کی ضرورت اور اس کے تصور کو ہر گزرتے دن مزید نقصان پہنچ رہا ہے۔

ہماری مذہبی جماعتوں اور دین کے احکام کی پاسداری اور ان کی ترویج و فروغ کے نام پر سیاسی میدان میں سرگرم عمل تمام ہی تنظیموں کو بالخصوص اس سوال کا جواب واقعتہً سنجیدگی سے تلاش کرنا چاہئے کہ گزشتہ 50 برسوں میں بلدیاتی سطح سے قومی سطح تک کے اب تک ہونے والے تمام انتخابات میں انہیں عوام کی حمایت کیوں میسر نہیں آسکی اور وہ اپنے دیانت داری' امانت داری اور پاک بازی کے تمام تر بلند بانگ دعوؤں کے باوجود انتخابات میں کیوں مسترد کی جاتی رہی ہیں؟ اس کا بالکل سامنے نظر آنے والا واقعی بڑا سبب اور اہم وجہ یہی قرار پائے گی کہ ہماری دینی جماعتیں اور مذہبی تنظیمیں باہم اتحاد و اشتراک عمل پیدا کرنے سے اب تک قاصر رہی ہیں یا اس لازمی تقاضے کو پورا کرنے کی اہل ہی نہیں ہیں۔ دینی جماعتوں اور ملک میں نفاذ اسلام کے لئے بظاہر اور بالاعلان دل و جان سے کوشاں تنظیموں کو مملکت خداداد پاکستان کے قیام کے پچاس سال بعد اتفاق رائے سے اب یہ فیصلہ کر ہی لینا چاہئے کہ وہ اصل میں اس ملک میں کونسا اور کیسا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کی منزل اور مقصد کا تعین تو قیام پاکستان سے بہت پہلے ہو چکا تھا لیکن ملک و قوم کا بڑا المیہ اب بھی یہی چلا آرہا ہے کہ گزشتہ پچاس برسوں میں بھی ہمارے علمائے کرام' مشائخ عظام اور دینی سیاسی اکابر یہ طے نہیں کر پائے ہیں کہ ملک میں اسلام کے کس مسلک سے تعلق رکھنے والوں کی قرآن و سنت کے احکامات کی تعبیر و تشریح سب کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہے۔ برصغیر میں بریلوی اور دیو بندی مسالک کے اختلافات سب ہی جانتے ہیں۔ ان میں ہر طرح سے کمی لانے اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے مشترکہ و متحدہ لائحہ عمل اختیار کرنے کے وعظ اور تلقین بھی 75 برس سے بھی زیادہ عرصے سے جاری ہیں مگر المیہ اپنی جگہ یہی ہے کہ ابھی تک اختلافات اور کشیدگی کے خاتمے کے تو کجا ان میں کسی کمی کے بھی آثار پیدا ہونے کا امکان دور دور نہیں ہے۔ قرآن و سنت کے احکامات کے نفاذ کے مطالبے پر سب ہی یک زبان ہیں لیکن ان کی تشریح اور توضیح پر بعض فروعی اختلافات کو دور کرنا آج تک ممکن نہیں بنایا گیا ہے۔ فقہی اختلافات مسلم معاشروں میں بہت پہلے سے ہیں لیکن گزشتہ چند عشروں میں ان کے منفی اور پرتشدد اثرات کا ہدف بالخصوص پاکستان کو بنایا گیا ہے۔ ملک میں 80ء کے عشرے میں آٹو میٹک اسلحہ کی ریل پیل شروع ہونے سے فرقہ واریت کو "بوجوہ" زیادہ تقویت حاصل ہوئی اس میں پاکستان

گے دشمنوں کے علاوہ بعض موقع پرست سیاسی اور نیم سیاسی عناصر اور عوامل بھی کار فرما رہے ہیں۔ ملک میں عدم استحکام پیدا کرنے کے لئے فرقہ وارانہ کشیدگی سب سے آسان نسخہ ثابت ہوا ہے اس سے جہاں ہمارا دشمن فائدہ اٹھا رہا ہے وہیں خود ہمارے اپنے کچھ کم منفی کردار ادا نہیں کر رہے ہیں۔ اس سنگین صورتحال کا فوری تقاضا تو یہی ہے کہ تمام محب وطن سیاسی اور دینی جماعتیں ملک کو مسلسل نقصان پہنچانے والی فرقہ واریت کی بنیادی خرابی کو دور کرنے کے لئے متحد ہو کر کام کریں مگر ایسا ہوتا نظر نہیں آرہا ہے۔ ہر حکومت اپنے اپنے دور میں اپنی قوت اور اختیارات کے بل پر دعوے تو یہی کرتی آئی ہے کہ تشدد اور فرقہ واریت پر قابو پا لیا جائے گا لیکن اس مقصد میں گزشتہ دس سے پندرہ برسوں میں واقعی مطلوب کامیابی حاصل نہ ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ تنہا حکومت فرقہ واریت اور مختلف النوع مفادات کی پیدا کردہ پر تشدد کشیدگی کے پھن پھیلائے ہوئے عفریت پر قابو نہیں پا سکتی اس کے لئے ان تمام جماعتوں اور تنظیموں کو مل کر جدوجہد کرنی ہو گی جنہیں پاکستان اور پاکستان کا مستقبل واقعی عزیز ہے تمام تر سیاسی مفادات کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کے لئے اول و آخر پاکستان کا ہونا اور مستحکم رہنا لازمی ضرورت ہے۔ گلی گلی محلے محلے سے اختلافات کے پرچار کی صورت میں نہ تو پاکستانی قوم متحد ہو سکتی اور نہ ہی پاکستان کو استحکام میسر آسکتا ہے۔ اس حقیقت کو ہر پاکستانی کو پوری سنجیدگی سے محسوس کرنا چاہئے اور انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں سے یہ کوششیں تیز کی جانی چاہئیں کہ معاشرے میں ہر نوع کے غیر ضروری اور منفی نتائج پیدا کرنے والے اختلافات اور کشیدگی کسی بھی صورت میں بڑھنے اور جڑیں پکڑنے نہ پائیں۔

پیپلز کلیئرنگ ایجنسی
کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ
کلیئرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ
۲۵ سالہ تجربہ کار
کلیئرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔
۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۲۷۵۳۷
فیکس نمبر :-
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟؟؟

یہ وہ سوال ہے جو آج ہر متجسس نوجوان اور ہر محبِ پاکستان کے قلب و ذہن کو وقفِ اضطراب کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ وہ اس نتیجے تک تو پہنچ چکے ہیں کہ پاکستان میں قرآنی معاشرہ کا قیام' جو کہ اس کی وجہ جواز تھی اور ہے' اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ مسلمانوں میں فرقہ بندی ناپید نہیں ہو جاتی۔ لیکن فرقے ختم کیسے ہوں؟؟

اس سوال کا جواب ادارہ طلوع اسلام کے پاس ایک مدلل اور پرتاثیر مقالہ کی شکل میں موجود ہے جو مفکر قرآن علامہ پرویز علیہ الرحمتہ کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ ادارہ طلوع اسلام اس مقالہ کی وسیع پیمانے پر اشاعت چاہتا ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک یہ مقالہ ایک خوبصورت پمفلٹ کی شکل میں بلا قیمت پہنچا کر' مملکتِ خداداد پاکستان میں قرآنی معاشرہ کے قیام کی راہ ہموار کی جا سکے۔ وابستگانِ دامنِ قرآنی سے استدعا ہے کہ وہ اس پراجیکٹ کی تکمیل کے لئے حتی المقدور معاونت فرمائیں۔ عطیات درج ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرائے جا سکتے ہیں۔

اکاؤنٹ نمبر 3082-7' نیشنل بنک آف پاکستان' گلبرگ۔2' مین مارکیٹ' لاہور

چیئر مین ادرہ طلوعِ اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی، پشاور

فقہ حنفی کی دفعہ وار تدوین

(نظام فوجداری)

(قسط اول)

پس منظر کچھ یوں ہے کہ پشاور ہائی کورٹ میں ایک رٹ داخل کی گئی۔ جس میں ٹیکسٹ بک بورڈ صوبہ سرحد کی طرف سے جماعت نہم و دہم کی اسلامیات کی کتابوں میں قرآنی آیات کی چھپائی میں سینکڑوں غلطیاں ہیں نیز کئی مقامات پر پوری کی پوری آیات جان بوجھ کر چھوڑ دی گئی ہیں۔ عدالت عالیہ نے یہ معلوم کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی کہ اس میں کتنی حقیقت ہے اور کہاں تک سچ ہے۔ کمیٹی کے ممبران میں محترم پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی صاحب ڈائریکٹر شیخ زید اسلامی مرکز پشاور، جناب چیئرمین ٹیکسٹ بک بورڈ صوبہ سرحد محترم طارق لطیف صاحب، جناب محمد سعید صاحب سبجیکٹ سپیشلسٹ اور راقم شامل تھے۔ کئی نشستیں ہوئیں۔ سونپے گئے فرائض کی نہایت ہی سنجیدگی سے ادائیگی ہوئی۔ عدالت عالیہ پشاور کو چند سفارشات کے ساتھ رپورٹ پیش کر دی گئی۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ لفظ ''اسلامیات'' درست نہیں چونکہ یہ جمع کا صیغہ ہے اور قرآن کریم نے واحد کا صیغہ اسلام استعمال کیا ہے اس لئے کورس کی کتابوں پر اسلامیات کا لفظ یا اصطلاح استعمال نہ کی جائے اور اس کی بجائے دینیات یا تعلیمات اسلام رائج کیا جائے (حالانکہ انگریزوں کے دور میں یہ اصطلاح مستعمل نہ تھی) عدالت عالیہ نے سفارشات کے نفاذ کا حکم جاری کیا۔ اب دیکھا جائے گا کہ مرکزی حکومت کی وزارت تعلیم اس پر کتنا عمل کرتی ہے۔

بہرحال اس دوران مختلف موضوعات پر چاروں ممبران صاحبان نے تبادلہ خیال کیا۔ محترم قاضی صاحب انتہائی منکسر المزاج، حلیم الطبع اور اپنے کام کی لگن میں مست شخصیت ہیں۔ دوسروں کی بات سننے کا بڑا حوصلہ رکھتے ہیں۔ قاضی صاحب نے راقم کو تحفتہً کئی کتابیں دیں جن میں سے ایک کا نام ''فقہ حنفی کی دفعہ وار تدوین (نظام فوجداری)'' ہے۔ دراصل یہ کتاب آج سے قریباً ایک ہزار سال قبل عربی میں لکھی گئی۔ ایک کتاب موسوم بہ الہدایہ کا اردو ترجمہ ہے۔ کتاب مذکور کے مترجم، مصنف، محقق و مدون جناب مشتاق احمد صاحب ریسرچ ایسوسی ایٹ ہیں۔ قاضی صاحب نے کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے۔ کتاب کے سرورق پر بغیر ترجمہ قرآن کریم کی آیت **وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم** (القرآن) لکھی گئی ہے۔ قاضی صاحب نے روایتاً'' پیش لفظ کے آخر میں قارئین کرام سے استدعا کی ہے کہ وہ اس بارے میں ہماری مزید رہنمائی فرمائیں۔

ایک ہزار سال قبل لکھی گئی کتاب کا تعارف ضروری ہے۔

کتاب الفقہ امام مرغینانی مرحوم نے لکھی ہے جن کا

اصل نام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل بن الخلیل بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی تھا۔ مرغینان دریائے سیحون کے کنارے ولایت فرغانہ کا ایک مشہور شہر تھا۔ مرحوم نے فقہ سے متعلق دس کتابیں اور بھی لکھی ہیں جن کا یہاں ذکر بے محل ہے۔ اصل کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں چاروں فقہا (حنفی، حنبلی، مالکی، شافعی) کے علاوہ کئی مقامات پر اہل تشیع کے فقہا کے فقہی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔

یہ مسائل کیا تھے؟ اور آخر ان مسائل کی ضرورت کیوں پڑی۔ بس ایک بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ آج سے ایک ہزار سال قبل جبکہ ملوکیت اپنے عروج پر تھی، کا دور تھا۔ اور ملوکیت کو قائم رکھنے کے لئے ہمارے فقہا صاحبان نے کیسی کیسی فقہیں گھڑیں اور کس کس انداز سے اپنے علمی تبحر کا مظاہرہ کیا۔ آج ان کتابوں کا ترجمہ کر کے "کروڑوں روپے کے پراجیکٹ" کا نام دیکر احیائے اسلام کے نام پر کیا کچھ کیا جا رہا ہے اور کیا اس قسم کا اسلام پیش کر کے ہم واقعی اسلام کی خدمت کر رہے ہیں یا بقول الطاف حسین حالی مرحوم خود اسلام سے تعلیم یافتہ طبقہ یا مہذب دنیا کو متنفر کر رہے ہیں۔ کتاب پر چند اقساط میں تبصرہ کیا جائے گا اور فیصلہ قارئین پر چھوڑا جائے گا۔

آج پوری دنیا میں غلامی کے وجود کا تصور تک نہیں اس کے باوجود "احیائے غلام و لونڈی" کے لئے کتنی توانائی ضائع کی جا رہی ہے۔ اور ایسے ایسے مسائل جن کا آئندہ بھی سینکڑوں سالوں میں پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں اسے پیش کیا جا رہا ہے۔ مثلاً بر سبیل تذکرہ ایک مسئلہ پیش خدمت ہے۔ جس کا تعلق فقہ سے ہے۔۔ وہ یہ کہ۔۔ اگر کسی جنگل میں کئی لوگ (مسلمان) بالکل برہنہ ہوں یعنی ان کے تن پر کوئی کپڑا نہ ہو تو امام کی موجودگی میں جو خود بھی ننگا ہو

باجماعت نماز کیسے ادا کی جائے گی۔۔ قلم میں اتنی ہمت نہیں کہ اس طریقہ کار کو ضبط تحریر میں لایا جا سکے۔ بہرحال کتاب محولہ کا آغاز نظام فوجداری میں زنا کے باب سے کیا گیا ہے۔ اس کی دفعہ وار ترتیب کچھ یوں ہے۔ (یاد رہے کہ ہم کتاب میں موجود آرٹیکل پر بحث قسط وار شائع کریں گے)

آرٹیکل 1- حد کی تعریف : شرعی اصطلاح میں حد کا اطلاق اس سزا پر ہوتا ہے جس کا

(ا) تعین شارع نے بطور خود کیا ہو۔

(ب) جو مجرم پر شارع کے حق کے طور پر نافذ ہوتی ہو اور

(ج) جس میں کسی قسم کا رد و بدل اور کمی و بیشی نہ کی جا سکتی ہو۔

تشریح !

لغت میں حد کے معنی "روکنے" یا "منع کرنے" کے ہیں۔ اس معنی کی روشنی میں دربان کو "حداد" اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو اندر جانے سے روکتا ہے۔ اسی مفہوم کو سامنے رکھ کر شریعت نے بطور خود بعض جرائم کے لئے مخصوص سزائیں مقرر کیں اور انہیں حدود کا نام دیکر ناقابل ترمیم قرار دیا تاکہ یہ سزائیں اپنے مفہوم سے ہم آہنگ ہو کر لوگوں کو ان جرائم کے ارتکاب سے روک سکیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں باعث ہلاکت ہوں۔

حدود کا تعین، اجراء اور ان کا نفاذ عموماً گناہوں کے کفارے اور گناہوں سے تطہیر کے جذبے کے تحت نہیں کیا جاتا کیونکہ بعض حدود ایسی بھی ہیں جو غیر مسلموں پر بھی نافذ کی جا سکتی ہیں۔

تعزیر :- تعزیر بھی بطور سزا نافذ ہوتی ہے لیکن اس پر حد کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا تعین قاضی کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے اور وہی حالات کے پیش نظر اس کی مقدار میں کمی بیشی کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔

قصاص :- قصاص کو بھی حد کے معنوں میں نہیں لیا جا سکتا کیونکہ ایک تو یہ بندوں کے حق کے طور پر نافذ ہوتا ہے دوسرا یہ کہ قصاص عفو و درگزر کی بنیاد پر بھی ساقط کیا جا سکتا ہے اور بطور بدل اس کی دیت بھی وصول کی جا سکتی ہے۔

پہلا آرٹیکل حد اور تعزیر پر مشتمل ہے۔ حد کی ابتدائی تشریح کا حوالہ السرخسی' المبسوط' الکاسانی' بدائع الصنائع' الزحیلی اور الفقہ الاسلامی و ادلتہ سے دیا گیا ہے اسی طرح حد کی تعریف ابن ہمام کی فتح القدیر میں اس طرح کی ہے۔ قصاص کی تعریف بھی ابن ہمام کی فتح القدیر میں دی گئی ہے۔ چونکہ ان سب پر ہزار سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اس لئے اب یہ تعریف مقدس ہو گئی ہے۔ قصاص کو بھی اس لئے حد کے معنوں میں نہیں لیا جا سکتا کہ ابن ہمام نے اسے حد کے معنوں میں نہیں لیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قتل عمد (قصاص) کے لئے قرآن کریم میں حد کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی ہے۔ ہم اگر بغور اس کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ جہاں بھی قرآن کریم نے کسی بھی کوتاہی' قانون شکنی (جرم نہیں) یا نافرمانی کے لئے حد کی اصطلاح استعمال کی ہے' وہیں یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اس کوتاہی' قانون شکنی یا نافرمانی کا ازالہ کیسے کیا جائے یہی حد ہے۔ حد کی یہی تعریف کافی ہے کہ وہ سزا (یاد رہے سزا فارسی زبان کا لفظ ہے اور قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا ہے) یا جزا کسی جرم کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہو' کو حد کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع حدود ہے۔ قرآن کریم میں واحد صیغے میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اکثر مقامات پر جمع صیغے میں اس لئے استعمال ہوا ہے کہ تمام حدود پر کاربند رہنے کی تاکید کی گئی ہے' اکثر و بیشتر آیات میں کئی کوتاہیوں کا ذکر ہونے کے بعد فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔

سب سے پہلے سورہ بقرہ کی آیت نمبر 187 کو لیجئے۔ اگرچہ اس آیت میں کسی قسم کی سزا (جزا) کا تعین نہیں کیا گیا ہے اور یہ آیات صوم سے متعلق ہیں کہ ماہ صوم میں کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا ہے۔ فرمایا صیام کو تم پورا کرو رات ہونے تک (یاد رہے مغرب تک یا شام تک نہیں' ہم اسے مجموعی طور پر مغرب تک پورا کرتے ہیں) اور جب تم مساجد میں عاکف ہو جاؤ تو مباشرت مت کرو۔ **تلک حدود الله فلا تقربوھا**۔ بس یہ ہیں وہ حدود جو اس باب میں قانون خداوندی نے مقرر کر دی ہیں ان کی نگہداشت کرو۔ (یعنی ان کے قریب مت جاؤ)۔ حدود کے حوالے سے یہ قرآن کریم کی پہلی آیت ہے۔ اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت نمبر 229 جو طلاق سے متعلق ہے' میں بھی حدود اللہ پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ پھر آیت نمبر 230 میں بھی طلاق سے متعلق حدود کا ذکر ہے۔

سورہ نساء کی آیت نمبر 12 میں وراثت' وصیت اور قرض سے متعلق احکامات ہیں۔ ان پر عمل کرنا انتہائی ضروری ہے اور آیت نمبر 13 میں ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حدود ہیں ان پر عمل کرنے سے تمہارا معاشرہ جنتی ہو جائے گا۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر 97 میں عرب بدوؤں اور صحرا نشینوں کے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حدود سے بے خبر ہیں۔ اسی طرح سورہ توبہ کی آیت نمبر 112 میں بھی احکام خداوندی پر چلنے والوں کی درجہ بندی کی گئی ہے اور فرمایا کہ یہی لوگ حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔' سورہ مجادلہ کی آیت نمبر 4 میں بھی میاں بیوی کے تعلقات سے متعلق جرمانہ کے طور پر حدود اللہ کا ذکر ہے۔ سورہ طلاق کی پہلی آیت میں بھی میاں بیوی سے متعلق طلاق کا طریقہ کار واضح کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ ان مطلقہ

عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود ہی وہاں سے نکلیں۔ ہاں اگر کسی کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتا ہے تو وہ خود اپنے آپ پر زیادتی کرتا ہے۔ ایک آیت سورہ نساء کی نمبر 14 ہے۔ جس میں فرمایا گیا کہ جو اس نظام (قرآنی) کی نافرمانی کرے گا یعنی ان حدود اللہ سے تجاوز کرے گا۔ تو اس کی زندگی ایسے ذلت آمیز عذاب میں گزرے گی جو اس کی انسانی صلاحیتوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دے گی۔

مندرجہ بالا آیات کے علاوہ قرآن کریم میں ایسی آیت نہیں جو حدود اللہ کے معانی میں استعمال ہوئی ہو۔ چونکہ قصاص دراصل کسی انسان کو ناحق قتل کرنے کے نتیجہ میں عمل پذیر ہوتا ہے اس لئے اس میں حد یا حدود کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی۔ یا بالفاظ دیگر یہ اتنا بڑا جرم ہے جو حد کے معانی میں نہیں لیا جا سکتا۔ تمام آیات کو سامنے رکھ کر اور تصریف آیات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ "حد" یا "حدود" کی اصطلاح صرف اور صرف ان پابندیوں تک محدود ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے' اس کے علاوہ کسی جرم کے ثابت ہونے یا سزا دینے کی اصطلاح بطور حدود قرآن کریم سے ثابت نہ ہے۔ ہمارے ہاں شراب کی سزا کو حد کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ (یاد رہے قرآن کریم میں شراب نوشی کی سزا مقرر نہیں ہے)۔ اسی کتاب کا آرٹیکل 54 شراب کے استعمال کو واجب الحد قرار دیتا ہے۔ خمر کے تین اقسام کا ذکر ہے یعنی انگور کا شیرہ جب وہ پک کر تیز ہو جائے یا انگور کے شیرے کو اس طرح پکایا جائے اور اس کا دو تہائی حصہ جل جائے اور کچی یا نیم پختہ کھجوروں کا شیرہ جب وہ پک کر تیز ہو جائے۔ آگے تشریح یہ دی گئی ہے کہ خمر کی مندرجہ بالا تینوں قسموں کا استعمال واجب الحد ہے۔ جس کی سزا اسی کوڑے آزاد بالغ مسلمان مرد اور عورت کے لئے مقرر ہیں۔ جبکہ غلام یا لونڈی کے لئے چالیس کوڑے مقرر ہیں۔

حد یا حدود کا انگریزی ترجمہ Limitations کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے دیکھا قرآن کریم میں کہیں بھی حد کو سزا کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ قتل عمد کی سزا قرآن کریم میں قصاص ہے جبکہ قتل خطا کی دیت۔ (یاد رہے مروجہ قانون قصاص و دیت کو راقم نے شرعی عدالت میں چیلنج کیا ہوا ہے) نشہ کی جو مضحکہ خیز تعریف کتاب محولہ میں کی گئی ہے' حوالہ بے جا نہ ہو گا۔

"نشہ" سے مراد ایسی کیفیت کا طاری ہونا ہے جس میں انسان مرد و عورت یا زمین و آسمان میں تمیز نہیں کر سکتا ہو۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اس کے برعکس امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نشہ سے مراد ہذیان کا لاحق ہونا یا ناسمجھی کی باتیں کرنا ہے۔ کیونکہ عام لوگوں میں نشہ کی علامت یہی خیال کی جاتی ہے"۔

چونکہ محولہ کتاب کے آرٹیکل نمبر 1 پر بات ہو رہی تھی اس لئے اب ہم اسی کتاب کے آرٹیکل 2 کو اگلی قسط میں پیش کریں گے جس میں زنا کی کیسی تعریف کی گئی ہے اور زنا کسے کہتے ہیں۔ قارئین زنا کی تعریف پڑھ کر یقیناً محظوظ ہوں گے کہ ملوکیت کو قائم رکھنے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جہاں ملوکیت کا اثر یا دور دورہ ہے وہاں ان ہی تعریفوں کا سہارا لے کر عمل کیا جا رہا ہے۔ اگلی قسط کا انتظار کیجئے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(لغات القرآن)

ع و ذ

عَائِذٌ۔ ہر وہ مادہ جس نے حال ہی میں بچہ دیا ہو۔ اس کی جمع عُوْذٌ ہے (تاج و محیط)۔ عَاذَتْ بِوَلَدِهَا کے معنی ہیں مادہ کا اپنے بچہ کے پاس کھڑے رہنا اور اس کی حفاظت کرتے رہنا جب تک وہ چھوٹا رہے (تاج)۔ اَلْمُعَوَّذُ اونٹوں کی اس چراگاہ کو کہتے ہیں جو مکانات کے آس پاس ہو (تاکہ اونٹ ہر وقت نگاہ میں رہیں)۔ ان معانی کے اعتبار سے تَعَوَّذَ اور اِسْتَعَاذَ کے معنی ہوتے ہیں کسی کی پناہ لینا۔ اس کی حفاظت میں محفوظ ہو جانا' اور عَاذَ بِالشَّيْءِ کے معنی ہیں کسی چیز کے ساتھ چمٹے رہنا۔ یعنی اسے لازم پکڑ لینا۔ مستقل طور پر اختیار کر لینا (تاج و محیط)۔

یوں تو نظامِ خداوندی قائم کرنے والی جماعت کو ہمیشہ اپنے نظام کی حفاظت کے لئے قوانین خداوندی کی تائید و نصرت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس نظام کے قیام کی ابتدائی منازل میں' جبکہ ان کی اپنی قوت ہنوز کم اور مخالفین کی مخالفت شدید تر ہوتی ہے' انہیں ان قوانین کے ذریعے اپنی حفاظت و پرورش کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے (جیسے ایک نوزائیدہ بچے کو شروع شروع میں اپنی ماں کی حفاظت و پرورش کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے)۔ یہ ہے وہ مرحلہ جس میں **قل اعوذ برب الفلق** (113:1)۔ اور **قل اعوذ برب الناس** (114:1)۔ کی تعلیم دی گئی ہے۔ یعنی ہر وقت قوانین خداوندی اور نظام کے ساتھ چمٹے رہنا۔ اس سے ذرا دور نہ ہٹنا۔ ذرا سے خطرے اور آہٹ کے وقت جھٹ سے اس کے آغوش میں آجانا اور اس طرح مخالفین کی سرکش قوتوں سے محفوظ ہو جانا۔

ہم نے اوپر لکھا ہے کہ قرآنی نظام کے قیام کی ابتدائی منازل میں تعوذ کی ضرورت خاص طور پر زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ قیام نظام کے بعد تعوذ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قرآن کریم سے دور لے جانے والے میلانات و جذبات اور طاغوتی قوتوں سے پناہ جوئی کی ضرورت تو زندگی کے ہر سانس میں رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نظام کے ابتدائی ایام میں چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے لئے بھی مرکز کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے لیکن جب ایک طرف حقائق واضح ہو جائیں اور دوسری طرف نظام محکم ہو جائے' تو پھر چھوٹے چھوٹے خطرات کا مقابلہ از خود ہوتا جاتا ہے۔

سورہ نحل میں ہے **فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ** (16:98)۔ اس کے عام معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو پہلے اعوذ پڑھ لیا کرو۔ لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم سے متمسک رہنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے سرکش جذبات کے اثرات اور مستبد قوتوں کا آلہ کار بننے سے محفوظ رہے۔ چنانچہ اس کی تشریح اگلی آیت میں یہ کہہ کر کر دی گئی کہ **اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** (16:99)۔ شیطان (یا ان سرکش قوتوں) کا

غلبہ ان لوگوں پر کبھی نہیں ہو سکتا جو ایمان رکھتے ہیں اور قوانین خداوندی پر پورا پورا بھروسہ کرتے ہیں۔ یہی وہ طریقہ تھا جس کے ذریعے حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے استبداد سے حفاظت حاصل کی تھی جب کہا تھا کہ اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ (40:27)- میں ہر متکبر (کے استبداد سے بچنے کے لئے) اپنے اور تمہارے نشوونما دینے والے کی حفاظت میں جاتا ہوں۔

یہ ہے تَعَوُّذ کا قرآنی مفہوم۔ یعنی خطرے کے وقت اپنے نظام سے اور زیادہ شدت سے متمسک ہو جانا اور قوانین خداوندی کی اور زیادہ پابندی سے اطاعت کرنا۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں تعوذ سے مقصود صرف اتنا رہ گیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے اعوذ پڑھ لیا جائے' یا قرآن کریم کی آیات کے تعویذ لکھ کر گلے میں ڈال لئے جائیں۔ (ذرا تعویذ کے مفہوم پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے؟) یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت (پڑھنا) ضروری ہے (تاکہ اسے سمجھا جائے اور سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے) اور جس طرح ہر عبدِ مومن ہر کام کی ابتدا خدا کے تصور سے کرتا ہے اسی طرح' قرآن کریم کی تلاوت کا آغاز بھی غیر خدائی قوتوں سے حفاظتِ خداوندی (تعوذ) کے احساس سے کیا جائے (اور اس کے لئے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ کے الفاظ کہہ لئے جائیں تو یہ انسان کے جذبات کے اظہار کا طریق ہو جائے گا)۔ لیکن یہ سمجھ لینا کہ مقصود صرف ان الفاظ کا دہرا لینا ہے' ٹھیک نہیں۔ الفاظ' اظہارِ مقصد کا ذریعہ ہیں۔ مقصود بالذات نہیں۔ اعوذ اور بسم اللہ درحقیقت قرآن کریم کی اس بنیادی تعلیم کا اعلان ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی لَا انۡفِصَامَ لَہَا (2:257)- جو شخص ہر غیر خدائی قوت سے انکار کرے اور صرف خدا کے قوانین کو تسلیم کرے' تو اس نے ایک ایسا محکم سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔

حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار قرآن کریم سے قرآن کریم کی تفسیر کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) درج ذیل مقام پر کیا گیا ہے۔

حیدر آباد B-12 حیدر آباد ٹاؤن فیز 2' بالمقابل نسیم نگر' قاسم آباد۔۔۔۔۔ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر' جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ' مجلہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ :- ایاز حسین انصاری' نمائندہ بزم طلوع اسلام قاسم آباد' حیدر آباد (سندھ)

ٹیلی فون حیدر آباد :- 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمہ شاہدہ ندیم، لاہور

پانچواں سوار

سنا ہے کہ چار گھڑ سوار دکن کی طرف جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک گدھا سوار بھی آپہنچا، "کسی راہ چلتے نے پوچھا کدھر جا رہے ہو، گدھا سوار نے کہا، ہم پانچ سوار دکن کو جا رہے ہیں"۔ چار سواروں کو تو ہم جانتے تھے مگر پانچویں سوار کا علم ہمیں جمعیت العلمائے اسلام کے جاری کردہ ایک بیان سے ہوا کہ جس کے مطابق۔۔۔ پاکستان، علماء دیو بند کی بیش بہا قربانیوں کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا۔ (بحوالہ جنگ، 4 ستمبر 2000ء، لاہور ایڈیشن) جے یو آئی (سرحد) نے اپنے اس بیان میں قربانیاں دینے والے علماء دیو بند کی تفصیل جاری نہیں کی کہ اس کے کونسے علماء تھے، جن کا لہو پاکستان کے قیام کی خاطر بہا؟ کن قائدین دیو بند نے قائداعظم کے سبز ہلالی پرچم کو سلامی دی؟ کس عالم دیو بند نے انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ اعلان کیا کہ تقسیم ہی برصغیر کے مسائل کا حل ہے؟ جے یو آئی نے یہ بھی واضح نہیں کیا کہ کن دیو بندی قائدین نے کانگرس اور گاندھی کی دو رخی پالیسوں کی مذمت کی؟ اتنی عظیم تاریخی حقیقت کا انکشاف اگر (JUI) نے کر ہی دیا ہے تو کم از کم اس پوشیدہ حقیقت کی تفصیل بتا دی ہوتی تاکہ مستقبل کا مورخ تاریخ کے صفحات پر جے یو آئی کے لہو کی سرخی کے کچھ پرنٹ اتار لیتا۔ JUI سرحد کے اس بیان سے JUI کے آباء و اجداد کی کارکردگی کے خدوخال واضح ہی نہ ہو سکے اور ہوں بھی کیسے؟ کہ ابتداء سے ہی دیوبندی علماء کا رویہ پاکستان مخالف رہا۔

درحقیقت ہمارے ہاں اسلام کے نام پر قائم ہونے والی جماعتوں میں غلط بیانی اور حقائق سے چشم پوشی کا رجحان عام ہے۔ مذہب کا نام لینے والی جماعتوں کو، ایک بزرگ کو کی جانے والی نو عمر بچے کی نصیحت یاد رکھنی چاہئے جس نے ان سے کہا تھا کہ امام صاحب میرے گرنے کی فکر مت کریں اپنا خیال کریں کہ آپ گرے تو ساری قوم گر جائے گی۔ تاریخی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا، بددیانتی اور خیانت ہے، اور تاریخ کے ایک غیر جانبدار محقق کی نگاہ میں ناقابل معافی جرم ہے۔ تاریخ تقسیم پاک و ہند کا ایک ادنیٰ سا قاری بھی جانتا ہے کہ چند علماء کے سوا، مذہبی جماعتوں نے، قائداعظم کا ساتھ دینے سے گریز کیا۔ علماء کی اکثریت نے حکومت اور کانگرس کا ساتھ دیا۔ اور متحدہ ہندوستان کے کانگریسی نعروں کے بینروں کو سینے پر اعزازی نشانات اور تمغوں کی طرح سجائے رکھا۔ جہاں تک دیو بندی علماء کا تعلق ہے تو انکا رویہ بھی قطعی مختلف نہ تھا۔ پاکستان کے لئے "پلیدستان" کا لفظ استعمال کرنے والے دیوبندی آج کس بنیاد پر خود کو مجاہدین پاکستان کہلوانا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے پاکستان کی "پ" تک بننے کی مخالفت کی، ان کا کیا حق ہے کہ وہ راہ وفا کے شہیدوں" کے لئے داغ کفن کے ٹکڑے پھاڑ کر اپنے بدن کی برہنگی چھپائیں؟ تحریک پاکستان کی خاطر حقیقی قربانیاں دینے والوں، قائد کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والوں، قیام پاکستان کے لئے اپنے دوپٹوں کے پرچم بنانے والیوں اور اپنی عصمتوں کو نچھاور کرنے والوں کا ہی حق ہے کہ ان کا نام احترام سے لیا جائے اور ان کی قدر کی جائے۔

زندہ قومیں اپنی تاریخ اور جغرافیہ کو غلط انداز سے بدلنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتیں۔ کسی بھی ملک اور قوم کے مورخین، مصنفین، صحافی اور اہل دانش اس ملک اور قوم کی تاریخ کے حقیقی محافظ ہوتے ہیں۔ اگر دن دیہاڑے تاریخ کے مضبوط قلعے پر نقب زنی کی جا رہی ہو تو پھر خاموش رہنا بزدلی اور اپنے فرائض سے مجرمانہ غفلت ہے۔ اب ہم تاریخی صداقتوں کا احترام کرتے ہوئے اس مذکورہ بالا پانچویں سوار کی، سبک رفتاری کا پرچہ چاک کرتے ہیں..... درحقیقت دیو بندی علماء نے کانگرس نوازی کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے ابتداء ہی سے متحدہ ہندوستان کے حق میں آواز اٹھائی۔ چنانچہ مولوی حسین احمد مدنی نے بار بار اس نظریے کا پرچار کیا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں "دیوبندیوں کے یہ مولوی انگریزوں کے وطنیت پسندی اور قوم پرستی کے نعروں سے متاثر تھے۔ اور مذہب کو کسی بھی وطن کے قیام کا حقیقی محرک نہیں سمجھتے تھے۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی مسلم لیگ کو مسلمانوں کی حقیقی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے تسلیم نہ کیا۔ اور نہ ہی اس میں شرکت کی، بلکہ دیو بندی ان علماء کو جو مسلم لیگ میں شامل ہوئے، غلط سمجھتے تھے۔ چنانچہ اشرف علی تھانوی کے متعلق مولوی عبدالاحد سورتی دیو بندی نے صاف لکھا کہ۔

"محمد ظفر احمد تھانوی اور شبیر علی تھانوی کا مسلم لیگ میں شرکت کرنا ہمارے اکابر (دیو بندی اکابر) خصوصاً حضرت تھانوی کے مسلک اور تعلیمات کے برخلاف ہے، اس کے ثبوت کے لئے حضرت (تھانوی) کے مشہور خلفاء مولانا سید سلیمان صاحب، مولانا خیر محمد صاحب، مولانا صمد عبدالجبار صاحب، مولانا محمد طیب صاحب، مولانا محمد کفایت اللہ صاحب صدر مدرس مدرسہ سعیدیہ وغیرہ کی (مسلم لیگ میں) عدم شمولیت اس کی روشن دلیل ہے"۔ (اشرف لافادات صفحہ 17)

اس طرح دیو بندیوں کے معروف مولوی عبدالجبار نے مسلم لیگ کو بددین جماعت قرار دیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت (اشرف علی) مسلم لیگ جیسی بددین جماعت کی حمایت کریں"۔
(اشرف الافادات صفحہ 18)

علماء تھانہ بھون نے بھی مسلم لیگ کی مذمت کی پالیسی اختیار کی۔ مولوی عطاء اللہ بخاری نے 27 دسمبر 1945ء میں یہ اعلان کیا کہ۔

"مسلم لیگ کے لیڈر بے عملوں کی ٹولی ہیں۔ جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں خاکستان ہے"۔

علاوہ ازیں دیو بندی مولوی حفظ الرحمان نے شبیر عثمانی کے سامنے پاکستان کے قیام کی مخالفت کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کے لئے مضر قرار دیا۔ (بحوالہ مکالمۃ الصدرین)

الغرض پاکستان کی تحریک کے دوران چھپنے والے اخبارات و رسائل میں دیو بند علماء کے پاکستان مخالفانہ نظریات تحریری شکل میں موجود ہیں۔ ایسی صورت میں، اس قسم کے بیانات جاری کرنا، درست نہیں۔ یہ بات جے یو آئی کو ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر ان کے آباء و اجداد نے نظریاتی لغزش کھائی اور بر وقت فیصلہ کرنے میں تاخیر کی تو اس بات کو تسلیم کرنے میں حرج نہیں۔ نبیوں اور پیغمبروں کو ماننے میں تاخیر کرنے والے، مان لینے کے بعد ان کی خاطر قربانیاں دیتے ہیں۔ اگر ماضی میں ان کے قائدین سے غلطی ہوئی تو اس کا ازالہ پاکستان کی سچی خدمت کرنے سے ہی ممکن ہے نہ کہ حقائق پر پردہ ڈال کر اور تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے سے۔ ماضی کی غلطیوں کو تسلیم کر کے ہی ان کا ازالہ ممکن ہے۔ پاکستان کے ہر فرد، جماعت اور ادارے کو حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے اور سچائی کا دامن تھام کر آئندہ نسلوں کی تربیت کرنا چاہئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن اور ہم

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

(خان افضل آفریدی)

کچھ لکھنے کے لئے میں نے آج ایک ایسے موضوع کا انتخاب کیا ہے جو ہر درد مند مسلمان کے لئے غبار خاطر بنا ہوا ہے۔ ہم کیونکر خیر الامم کے مرتبہ عالیہ سے گر کر تیسری دنیا والے (پسماندہ) پکارے جانے لگے۔ ہم کیوں صرف گفتار کے غازی بن بیٹھے۔ ہم نے کیونکر قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ کی داستانیں ورد زبان کر رکھی ہیں؟ ہم صدیوں میں خالدؓ عمر بن عبدالعزیزؒ یا صلاح الدین پیدا نہ کر سکے!! حالانکہ کلمہ طیبہ تو ہم بھی پڑھتے ہیں۔ نمازی بھی ہیں اور روزہ دار بھی۔ حاجی صاحبان کی تعداد بھی اب لاکھوں تک جا پہنچی ہے۔ سریلی اذانیں بھی خوب گونجتی ہیں اور فن قرات بھی بلندیوں کو چھو رہا ہے اور پھر محفل میلاد اور محفل شبینہ تو سبحان اللہ۔ حیرت ہے اس تمام ذکر و فکر کے باوجود اس بساط زندگی میں ہمارے سب مہرے مات کھا رہے ہیں۔ اس حیرت کا پردہ چاک کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

نوع آدم کو انسانیت کے درجہ کمال تک پہنچانے کے لئے خالق مطلق اور نباض عظیم نے انبیاء علیہم السلام کا ایک طویل سلسلہ قائم فرمایا جو کہ جناب رسالتماب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اعلیٰ و ارفع پر اختتام پذیر ہوا اور آپ کو خاتم النبین کا بلند مقام ملا۔ ہر نبی اللہ کے احکامات جو ضرورت وقت کے مطابق نازل ہوتے رہے اپنے لوگوں تک من و عن بے باکانہ پہنچاتے رہے۔ ہر نبی اپنے ہی لوگوں میں سے ہوتا اور غریبوں کا ساتھی۔ زندگی بھر ان کے جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے بر سر پیکار رہتا۔ اسی وجہ سے زردار اور زر پرست لوگ ہر نبی کے در پے آزار ہو جاتے۔ طرح طرح کی تکلیفات اور اذیتیں پہنچاتے لیکن وہ مردان خدا ہر مشکل کا مردانہ وار مقابلہ کرتے۔ بڑی سے بڑی لالچ یا دھمکی ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکتی۔ اس طویل کشمکش کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(الف) قوم بنی اسرائیل کو فرعون مصر نے اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جاتے۔ جانوروں سے بدتر سلوک روا رکھا جاتا گویا ان کے پاس بطور انسان رہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ بالآخر رحمت خداوندی نے جوش مارا اور اسی پسی اور دبی ہوئی قوم کے ایک فرزند کو نبی اور کلیم اللہ بنا کر فرعون کے دربار میں وکالت کے لئے بھیجا۔ مباحثہ کے دوران فرعون کے تمام کے تمام وکلاء حضرت موسیٰؑ کے ٹھوس دلائل کے سامنے نہ صرف ہار ماننے پر مجبور ہوئے بلکہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ المختصر حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو فرعون کے عذاب سے نجات دلوانے میں کامران ہوئے جبکہ فرعون اور اس کے حمایتی غرقاب۔

(ب) ایک زمانے تک حضرت موسیٰؑ کی شریعت نافذ العمل رہی۔ کئی ایک نبیؑ شریعت موسوی کو جاری رکھنے کے لئے ارسال ہوئے ان میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ قابل ذکر ہیں کیونکہ ان دونوں حضراتؑ کے عہد میں حکومت الٰہیہ

شان و شوکت سے قائم رہی اور ایک دنیا ان کی طاقت کا لوہا مانتی تھی۔ اللہ نے حضرت داؤدؑ کو لوہا اور حضرت سلیمانؑ کو تانبا پگھلانے کا ہنر (Technology) تفویض فرمایا تھا اور اسی میں انکیؑ بے پناہ طاقت کا راز تھا۔ تاہم بعد میں آنے والے حکمرانوں اور بڑے بڑے کاہنوں (مذہبی پیشواء) نے اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر آپس میں ہاتھ ملا کر شریعت موسوی کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ قوم بنی اسرائیل نے خدا کا دین (اسلام) چھوڑ کر یہودی "مذہب" کی بنیاد رکھ دی اور پھر آج تک یہودی ہی کہلائے۔ یاد رکھئے خدا کا دین ایک ہے اور وہ اسلام ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام مسلمان تھے اور سب خدا کا ایک ہی پیغام لیکر آئے تھے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام ○

اللہ نے اس قوم کو بہت ڈھیل دی لیکن بدبخت نہ سنبھلی پر نہ سنبھلی اور دین الٰہی کی تمام حدود و قیود پھلانگتے ہوئے باغی ہوتی چلی گئی۔ بالآخر ہادی مطلق نے حضرت عیسیٰؑ کو ارسال فرمایا۔ آپؑ نے اپنے پہلے خطاب میں بنی اسرائیل سے کہا:

"خداوند خدا کی مرضی سے میں تمہاری طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں میں خدا کے حکم سے بیمار بھیڑوں (بنی اسرائیل کے افراد) کا علاج کرونگا' اندھوں کو بینا۔ کوڑھ کے مریضوں کو تندرست۔ چیت کبروں کو یکرنگ اور مردوں کو زندہ کرونگا (یہاں پر مردوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اخلاقی طور پر مرچکے ہیں)۔ تم شریعت موسوی بھلا چکے ہو میں تمہیں بھولا ہوا سبق پھر سے یاد کراؤنگا"۔

غور فرمائیں۔ کتنا دلنشین تھا یہ خطاب۔ لیکن کیا انجام ہوا اس برگزیدہ نبی کا۔ کاہنوں (مذہبی علماء) نے امراء وقت کے ساتھ مل کر پہلے آپؑ کو نعوذ باللہ ناجائز بچہ (Bastard) مشہور کیا۔ پھر آپؑ پر کفر و الحاد کا فتویٰ لگایا اور آخرکار حکومت وقت کی اعلیٰ ترین عدالت سے آپؑ پر پھانسی کی سزا مقرر کروا دی۔

غور کیجئے۔ حضرت عیسیٰؑ کا قصور کیا تھا؟ یہی نا کہ لوگوں کو اللہ کے نظام عدل کی طرف بلا رہے تھے تاکہ غریب عوام کو ان کے جائز حقوق مل سکیں۔ لیکن وہاں تو چنگیزی نظام رائج تھا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔

(ج) اب تقریباً چھ سو سال تک وہی چنگیزی نظام چلتا رہا۔ غریب عوام جور و جبر کی چکی میں پستے رہے۔ حتیٰ کہ کوہ فاران کے دامن اور اس مقدس و محترم شہر میں جس کی بنیادیں امام الناس حضرت ابراہیمؑ نے دنیا کے انسانوں کے لئے امن کا گھر کہتے ہوئے اٹھائیں تھیں۔ کائنات کی مکمل ترین اور بزرگ ترین شخصیت نے جنم لیا۔ اپنی حیات طیبہ کے چالیس سال حق کی جستجو میں گزارے۔ اس طویل عرصہ میں کبھی مائی حلیمہؓ کی شفقت بھری گود میں رہے۔ کبھی اپنے ہم دودھ بھائیوں کے ہمراہ صحرائی وسعتوں میں زندگی کے کٹھن ایام گزارے۔ کبھی حضرت خدیجہؓ کے تجارتی قافلوں کو لیکر شام تک گئے۔ سفر کی تمام صعوبتیں برداشت کیں اور جب بھی لوٹے کامیاب و کامران ہو کر لوٹے اور پھر جب نبوت کا زمانہ قریب ہوا تو صاحب غار حرا ہو گئے اور یہی وہ زمانہ تھا جب آپؐ غور و فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے اور شائد اپنے آپؐ سے سوال کرتے کہ اتنی بڑی کائنات کا خالق کون ہے؟ وہ کونسی ذات اقدس ہے جو اس عظیم و قدیم کارخانہ موت و حیات کو نظام واحد کے تحت چلا رہا ہے؟ ایسے اور اس جیسے دیگر خیالات کے ہجوم میں ایک مبارک گھڑی وہ بھی آئی جب حضرت جبرئیل غار حرا میں حاضر ہوئے اور محمد ﷺ سے کہا۔

اقراء باسم ربک الذی خلق ○

اس زمانہ میں جزیرۃ العرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی۔ بس قبائلی دستور رائج تھا ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا جو بڑا جری اور طاقتور ہوتا اور اسی طرح ہر قبیلے کا ایک بت ہوتا جس کی وہ پوجا کیا کرتے اور حج کے موقع پر (قبل از اسلام) ہر سردار اپنے بت کو اونچا اٹھائے اپنے قبیلے والوں کے ہمراہ مکہ آتے اور تمام بتوں کو خانہ کعبہ میں سجا دیتے اور پھر اپنے عقیدہ کے مطابق طواف کعبہ کرتے۔ اس بت پرستی کے عالم میں جب پیغمبرؐ خدا نے کلمہ حق بلند فرمایا **لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ○** تو گویا یہ ایک کلمہ حق ہی نہ تھا ایک تباہ کن بجلی بھی تھی جو سرداران قریش پر دفعتاً" آگری۔ اس پیغام کو اپنی بربادی کا پروانہ سمجھتے ہوئے وہ فوراً اکٹھے ہوئے اور نبیؐ برحق کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنا ڈالا۔ اپنے ظالمانہ اور بزدلانہ تمام حربے استعمال کر ڈالے اور جب بے بس ہو گئے تو آپؐ کے چچا صاحب ابو طالب کے پاس جرگہ لیکر گئے اور درخواست

کی کہ وہ اپنے چہیتے بھتیجےؐ کو **لا الہ الا اللہ** کہنے سے منع کرے کیونکہ اس پیغام سے ان کے خداؤں کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور اس کے عوض وہ محمدؐ کو سب کچھ دینے کو تیار ہیں۔ اگر بادشاہی مانگتا ہے تو بادشاہی دیتے ہیں۔ اگر دولت مانگتا ہے تو جتنی دولت چاہے دینے کو تیار ہیں اور اگر خوبصورت عورت کی طلب ہے تو عرب کی خوبصورت ترین عورت بھی مہیا کر دیں گے۔ آپ جانتے ہونگے کہ اسؐ اولوالعزم پیغمبر نے اپنے محسن اعظم چچا کو کیا جواب دیا؟

"اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں خدا کی قسم میں پھر بھی اپنے مشن سے باز نہیں آؤں گا"۔

جب سرداران قریش کی سازشیں اور رقابتیں تمام حدود پار کر گئیں اور وہ ناہنجار' نبی کریمؐ کی جان لینے کے در پے آزار ہونے لگے تو تیرہ سالوں کی جاں گداز اور صبر آزما تکلیفات کے بعد جو صرف اور صرف تبلیغ دین کے لئے برداشت کرنا پڑیں حکم ایزدی ہوا کہ اپنا گھربار' خویش و اقارب اور وطن کے تمام بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے مدینہ کو ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ فوراً اطاعت ہوئی۔ پہلے قافلہ میں اپنے پیروکاروں کو روانہ فرمایا اور دوسرے میں خود بالنفس نفیسؐ اپنے رفیق اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمرکاب مکہ سے مدینہ کی جانب کوچ فرمایا۔

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ

سرور دو عالمؐ کے ورود مدینہ کا منظر قابل دید تھا۔ تمام انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ انتہائی بیتابی کے ساتھ آپؐ کی ایک جھلک دیکھنے کے منتظر تھے۔ مکانوں' ٹیلوں اور کھجور کے درختوں کو اپنی انتظار گاہیں بنائے ہوئے تھے اور زمین پر کھڑے لوگ کھجور والوں سے بار بار بے صبری کے عالم میں پوچھتے' کچھ دکھائی دیا؟ کوئی نظر آیا؟ صبر آزما انتظار کے بعد کھجور کے درخت میں اٹکے ہوئے آدمی نے مژدہ جاں فزا دیا کہ دور صحرا کے دھند لکے میں ایک اونٹ اور دو سوار اس طرف آتے دکھائی دے رہے ہیں۔ بس پھر کیا تھا اللہ اکبر کے نعروں سے فضا گونجنے لگی۔ عورتوں نے اپنے روائتی انداز میں دف بجا بجا کر اپنے عظیم اور محترم مہمانؐ کو خوش آمدید کہا اور اس روح پرور ماحول میں نور محمدؐ سے شہرمدینہ منور ہوا۔

مدینہ پہنچتے ہی نبی اکرمؐ نے سب سے پہلے مسجد نبویؐ کی تعمیر کا بیڑا اٹھایا۔ یہ دنیا کی ایک باوقار اور قابل احترام مسجد تھی جس کی تعمیر بالکل سادہ انداز اور اپنی مدد آپ کے اصول پر ہوئی۔ اس نیک کام میں حضورؐ پرنور اپنے اصحابؓ کے ہمرکاب رہے اور یہی اولوالمرتبت مسجد **حکومت الٰہیہ** کا پہلا باب عالی مقرر ہوا۔ سب معاملات چاہے دینی ہوں یا دنیاوی یہیں پر فیصلہ ہوتے۔ گویا دین اور سیاست ایک جان دو قالب تھے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ خدا کی تیرہ سالہ مکی زندگی جو سراسر تبلیغ دین تک محدود تھی اب کے ایک **حکومت الٰہیہ** کے قیام کی طرف کیوں پلٹ پڑی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سرور دو عالمؐ کو اللہ نے دو ٹوک مشن دیا۔ مشن تھا کہ اللہ کے دین (ضابطہ حیات) کو دنیا کے تمام ادیان (ضابطوں) پر غالب کر دو۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون○

ترجمہ - اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور صحیح دستور حیات (دین) دیکر بھیجا ہے تاکہ اس دستور کو تمام (بقیہ) دساتیر پر غالب کر دے۔ چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

لہٰذا اپنےؐ مشن کی تکمیل کی طرف گامزن ہوئے۔ **حکومت الٰہیہ** قائم فرمائی اور مدینہ کو اپنا دارالخلافہ یعنی مرکز بنایا۔ آپؐ تو اپنا فرض ادا کر گئے۔ خلفاء راشدینؓ نے بھی اپنا اپنا فریضہ ادا کیا لیکن افسوس! بعد میں آنے والوں نے **حکومت الٰہیہ** کا شیرازہ بکھیر دیا اور مرکز کو در بدر کر دیا۔ درحقیقت دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اپنے اندر رکھتا ہے جو نہ صرف عالم انسانیت بلکہ تمام کائنات پر محیط ہے۔ اسی لئے اللہ نے اپنے آپ کو رب العالمین اور اپنے محبوبؐ کو رحمت العالمین فرمایا ہے۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

علامہ اقبالؒ اپنے اس فارسی کے شعر میں فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو لرز اٹھتے ہیں کیونکہ لا الہ پڑھ لینے کے بعد مشکلات اور ذمہ داریوں کے ڈھیر لگ

جاتے ہیں جن کا اٹھائے رکھنا ایک سچے اور باعمل مسلمان کا ہی عزم اور حوصلہ ہو سکتا ہے۔ دین اسلام ایک تحریک ہے اور ہر مسلمان اس تحریک کو متحرک رکھنے کا ایک بے لوث سپاہی اور آپ سب جانتے ہیں کہ ایک سپاہی کا فرض اولین کیا ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ جیت کی بازی لگاتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان عزیز بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ آؤ میرے ساتھ جنت کا سودا کر لو۔ مال و جان میرے راستہ میں قربان کر دو اور مجھ سے جنت لے لو۔

ہاں تو اسلام میں ہر مسلمان خدا کا سچا سپاہی ہے۔ تاکہ مہاتما بدھ کے بگڑے ہوئے پیروکاروں کی طرز کا بھکشو جو گیروی لباس میں ملبوس جنگلوں اور پہاڑوں میں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں یا پھر خوبصورت مندروں میں مہاتما بدھ کے سنہری مجسمہ کی پرستش میں محو رہتے ہیں ان کا اس کائنات سے کوئی ناطہ نہیں ہوتا۔ جبکہ قرآن میں اللہ فرماتا ہے کہ زمین اور آسمانوں اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے ذمہ تسخیر عالم ہے نا کہ خانقاہیت۔

وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذالک لایت لقوم یتفکرون ○

دنیا کا کوئی نظام بھی طاقت کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قانون فطرت کے عین مطابق خداوند تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا کہ اپنی فوجی طاقت کو اس قدر بڑھاؤ کہ دشمن تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ یہ احکام بھی صادر ہوئے کہ تمہارا مرکز ایک ہے تمہارا امیر ایک ہو اور مسلمان دنیا کے کسی کونے میں بھی ہو وہ اپنی توجہ مرکز کی طرف مرکوز رکھے اور اپنے امیر کی اطاعت بے چون و چرا کرے۔ دراصل یہی وہ اہم ترین نقطہ ہے جو پانچ وقتہ صلوٰۃ باجماعت میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو آگاہ فرماتا ہے کہ آپؐ جب استقلال دین کے لئے اٹھ کھڑے ہونگے تو تمام کفار متحد ہو کر آپؐ کے مقابلہ میں صف آرا ہو جائیں گے۔ لیکن آپؐ کسی کی پرواہ نہ کریں۔ صرف اپنے اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اسی سے مدد مانگیں اور اگر اس مقدس مقصد کے لئے تلوار بھی اٹھانا پڑے تو ضرور اٹھائیں اور ہر سامنے آنے والے کو قتل کریں اور خود بھی جام شہادت نوش کریں۔

انتظامی احکامات کے بعد اقتصادی امور سامنے آئے۔ کیونکہ انتظامی ڈھانچہ اقتصادی منصوبہ بندی کے بغیر استحکام حاصل نہیں کر سکتا۔ مشہور مقولہ ہے۔ بھوکوں مرتا کیا نہ کرتا۔ جب انسان کو ضروریات زندگی میسر نہ ہوں تو ان کو پورا کرنے کے لئے وہ بڑے سے بڑا کام کرنے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس بے راہروی سے نجات دینے کے لئے اسلام نے نظام زکوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیا۔ **اقیموا الصلوٰۃ واتوالزکوٰۃ ○** یعنی انتظامی ڈھانچہ کے قیام کے بعد عوام الناس کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ حقیقت میں نماز پڑھنا نہیں نماز کو قائم کرنا ہے۔ اس نقطہ کی تائید میں سورہ الماعون کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

ترجمہ۔ کیا دیکھا تو نے اس شخص کو کہ جھٹلاتا ہے دن جزا کو (دین) پس یہ وہ شخص ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو اور نہیں رغبت دلاتا اوپر کھانے دینے فقیر کے۔ پس وائے ہے واسطے ان نماز پڑھنے والوں کے جو نماز اپنی سے بے خبر ہیں۔ وہ جو دکھلاتے ہیں لوگوں کو اور منع کرتے ہیں برتنے کی چیز کو۔

الغرض۔ نمازیوں نے مل جل کر ایک اسلامی فلاحی معاشرہ قائم کر کے ناداروں اور خاص طور پر یتیموں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا تھا۔ لیکن افسوس مسلمان کشتہ ملوکیت اور خانقاہیت ہو گئے اور فلسفہ صلوٰۃ اپنی افادیت کھو بیٹھا۔ امام مسجد کے پاس کوئی اختیار نہ رہے اور وہ بیچارہ امیر ایک فقیر بن کر رہ گیا۔ ہائے یہ دو رکعت کے امام

ہاں تو اگر ہم یہ فلاحی معاشی نظام پھر سے قائم کر لیں اور ضرورت مندوں کی دل کھول کر مدد کریں۔ یہ مدد مال حلال سے ہو۔ اور جب ہر مسلمان رزق حلال کا خواہش مند ہو جائے تو دنیا کی بہت برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ رزق حلال کمانے کے لئے اللہ جل شانہ' فرماتا ہے کہ رات تمہارے آرام کے لئے ہے اور دن کام۔ کام اور کام کے لئے۔ جمعہ کی نماز کے بعد رزق حلال کے لئے نکل پڑو۔ جب حج کے ارکان پورے کر چکو تو رزق حلال کی تلاش میں زمین میں پھیل جاؤ۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسولؐ یہ لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں

... نام پر کیا دیں؟ ان سے فرمادیجئے کہ اپنے رزق حلال سے اپنی جائز ضروریات رکھ کر باقی تمام کا تمام اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ ان احکامات سے واضح ہوا کہ ہر مسلمان خدمت خلق کے لئے ہمہ وقت تیار رہے۔ اس کا سب کچھ اللہ کے لئے ہے۔ وہ جو کچھ کماتا ہے اس کا بیشتر حصہ عوام الناس کا ہے۔ ہم نماز کی ہر رکعت میں رب العالمین تو بڑی روانی سے پڑھ لیتے ہیں۔ مگر اس کے تقاضوں پر کبھی غور و فکر نہیں کرتے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔ اس شعر کو دوبارہ لکھ رہا ہوں۔

چوں مے گویم مسلمانم بہ لرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

وہ مسلمان جو اپنی دولت کا بیشتر حصہ عوام الناس کی بہتری پر خرچ نہیں کرتے اور اپنی دولت گن گن کر تجوریوں میں رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے بخیل لوگوں کی دولت دوزخ کی آگ میں تپا تپا کر ان کی پیشانیوں، چہروں اور پیٹھ پر داغی جائے گی۔ غور فرمائیں۔ ارتکاز زر پر خداوند قہار نے کتنی عبرتناک نفرت کا اظہار فرمایا ہے۔ الا مان والحفیظ۔ مگر کیا کیا جائے۔ یہاں تو بات ہی کچھ اور چل پڑی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اسلامی اقتصادی نظام کی برکتوں کا یہ عالم تھا کہ چند ہی برسوں میں مدینہ منورہ میں کوئی زکوۃ لینے والا باقی نہ رہا تھا۔

کس نہ باشد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبین این است و بس

رب العالمین کا یہ برکتوں والا نظام اگلے چند ہی برسوں میں سرمایہ داروں کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو گیا اور پھر آج تک لوٹ کر نہ آسکا کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد نظام حکومت، ملوکیت کی طرف کھنچتا ہی چلا گیا۔

ہر وہ مسلمان جو اپنے دین کے لئے درد اور اپنے پیارے رسولؐ کے لئے اپنے دل میں محبت رکھتا ہے دلی خواہش رکھتا ہے کہ وہی دین متین ایک بار پھر قائم ہو جائے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بو لہبی است

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ عہد پھر سے کیسے لایا جائے؟ اس دور کو لانا مشکل تو ضرور ہے۔ ناممکن نہیں۔ تاریخ گواہ ہے عمر بن عبدالعزیزؒ نے برسوں بعد فاروقی عہد کی ایک جھلک دکھا دی تھی آج ہمیں پھر عمر بن عبدالعزیز ثانی کی ضرورت ہے۔

اس مضمون کے شروع میں علامہ اقبالؒ کا ایک فارسی شعر رقم کیا گیا ہے وہ شعر پھر سے لکھ رہا ہوں کیونکہ میرے اس لمبے چوڑے مضمون کا لب لباب اسی میں پوشیدہ ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو ایک زندہ قوم کی طرح زندہ رہنا ہے تو پھر قرآن پر عمل پیرا ہوں بلکہ اس مکمل ضابطہ حیات کو پورے طور پر نافذ کریں۔ ناظرہ تو ہم اب بھی پڑھتے ہیں اور غلامی کے دور میں بھی پڑھتے تھے۔ صرف پڑھنے پڑھانے پر علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

مشیت ایزدی کا تقاضہ ہے کہ قرآن کو نافذ کیا جائے۔ حضور رسالتمآبؐ اس فرض سے سبکدوش ہوئے۔ مدینہ منورہ میں قرآنی حکومت قائم فرمائی۔ خلفاء راشدینؓ نے اس نظام کو من و عن قائم رکھا۔ تو آیئے ہم سب مل کر ہر قسم کے تعصبات سے پاک ہو کر اپنے خدا سے عہد کریں کہ ہم صرف اس حکومت کا ساتھ دیں گے جو نفاذ قرآن کے لئے مخلص ہو گی اور ہم اس مقدس فریضہ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں گے۔

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر محمد رفیع

امانت، خیانت اور ہم

امانت، ایمان اور امین کا مادہ ا۔ م۔ ن ہے اور یہ تینوں الفاظ ہم اپنی روز مرہ کی زندگی میں عام استعمال کرتے ہیں۔ ایک اچھی زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے غیر متبدل اصول و قوانین مقرر کئے ہیں جو کہ قرآن میں رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ ان قوانین کی صداقت کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے۔ ایک ایمان دار معاشرہ میں ہر انسان دوسرے انسان کو امن و سکون کی ضمانت دیتا ہے اور اس کی بنیاد پر ہر فرد بے فکر اور محفوظ ہو جاتا ہے۔

امانت ہر وہ شے ہے جو کسی کو اس کے بھروسے پر دی جاتی ہے۔ جس کسی کو مطمئن ہو کر قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے اسے امین کہتے ہیں۔ جس کی سب سے اچھی مثال نبی کریمؐ کی ہے جنہیں اہل مکہ نبوت سے پہلے اسی لقب سے پکارا کرتے تھے۔ آج جب کہ چاروں طرف "عاشقان رسول" کا ہجوم مختلف رنگوں کی پگڑیوں میں نظر آتا ہے، ایمان کی یہ خصوصیت ناپید ہے۔ نبیؐ نے نبوت کے اعلان سے پہلے حق بات کرنے اور امین ہونے کی تصدیق اپنی قوم سے کروائی تھی اور سب نے نبیؐ کی اس خوبی کو ایک آواز ہو کر قبول بھی کیا تھا، یہ اور بات ہے کہ ان میں سے بیشتر نے حق و صداقت کی امانت کو اپنانے سے انکار۔

ہمارے معاشرے میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کسی نہ کسی طرح خیانت میں ملوث ہیں۔ ہر شخص، چند ایک کو چھوڑ کر، اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے خیانت کو اپنائے ہوئے ہے۔ خیانت، امانت کی ضد ہے، اسی لئے قرآن نے اسے بڑا سنگین جرم قرار دیا ہے۔ خیانت انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا (8:58)۔ ایمان والوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اللہ اور رسول سے خیانت نہ کریں (8:27) یعنی قرآنی اصولوں کو امانت سمجھ کر اپنائیں۔ منافق کی تین نشانیاں جو نبی ﷺ نے بتائی ہیں وہ یہ ہیں (1) جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے (2) جب وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا (3) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ تینوں صورتیں خیانت ہی کی ہیں۔ اس نام نہاد مسلم معاشرہ میں جس کو جہاں موقعہ ملتا ہے حقیر دنیاوی فائدے کے لئے خیانت کئے چلا جا رہا ہے۔ ملازم بھی خائن ہے، تاجر بھی، حاکم بھی خائن محکوم بھی، افسر بھی خائن ماتحت بھی، سیاست دان بھی خائن اور مذہبی پیشوا بھی۔ خیانت اس معاشرے کی قدر بن گئی ہے اور اس کے زوال پذیر ہونے کی بنیادی وجہ۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی خیانت کا کوئی منفی نتیجہ برآمد نہ ہو گا، جب کہ قرآن کا اعلان ہے کہ امانت کی پاسداری کرنے والے مومن ہی کامیاب ہیں (23:8)۔

جو لوگ حکومت یا کسی ادارہ کے ملازم ہیں وہ اپنے کام کو اتنا وقت نہیں دیتے جتنا انہیں دینا چاہئے۔ کام پر دیر سے آنا، جلدی جانا، نہ آنا اور پھر پوری اجرت لینا خیانت ہے۔ یہ جو مزدوروں کا طریقہ ہے کہ کام لینے والا دیکھ رہا ہے تو ٹھیک طرح کام کرتے ہیں اور اگر وہ کہیں چلا جائے تو چائے پینا شروع کر دیتے ہیں یا باتیں کرنے لگتے ہیں۔ یہ سب خیانت ہے۔

آپ کو اگر فوری طور پر خیانت کا مشاہدہ کرنا ہے تو کسی

بھی عدالت میں چلے جایئے۔ جھوٹے مقدمے' جھوٹی گواہیاں' طویل مقدموں کی ایک لمبی فہرست' آپ کو انصاف میں خیانت کا ایک بھیانک پہلو دکھائے گی۔ جبکہ اللہ کا حکم ہے کہ "عدل کے ساتھ گواہی (شہادت) دو خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جائے یا تمہارے ماں باپ وغیرہ کے خلاف (4:135) دشمن کے خلاف بھی سچی شہادت دینے اور عدل کا حکم ہے (5:8)۔ آج ہم اسی خیانت کی وجہ سے پولیس کچہری کے قریب جانے سے ڈرتے ہیں۔

جو لوگ مکینک کی حیثیت سے مختلف اقسام کی مشینوں اور اشیاء کو ٹھیک کرتے ہیں' ان کو بھی اپنی محنت اور اجرت میں ایمانداری کا ثبوت دینا چاہئے اور خیانت سے بچنا چاہئے۔ اکثر ہوتا یہ ہے کہ گاڑی' موٹر سائیکل' ریڈیو' وی سی آر' گھڑی وغیرہ ٹھیک کرنے والے ہماری ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر ان پرزوں کے پیسے بھی لے لیتے ہیں جو ان اشیاء کو ٹھیک کرنے میں استعمال نہیں ہوئے۔ ایسے لوگ اللہ کی کتاب کے منکر ہیں اور ان کا سرپرست شیطان ہے جو انہیں تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے (2:257)

خیانت کی ایک مثال ان سرکاری اہل کاروں کی ہے جو ملک کے لئے مختلف اشیاء کی خریداری کرتے ہیں اور بھاری کمیشن کے عوض ناقص مال خرید لاتے ہیں۔ بعض ملازمین کو حکومت اور دیگر اداروں کی طرف سے یہ سہولت دی جاتی ہے کہ وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا علاج متعلقہ اداروں کے خرچ پر کروا سکتے ہیں۔ یا کسی مخصوص دکان سے دوا لے سکتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ڈاکٹر بھی بغیر مرض کے دوا کی پرچی لکھ دیتا ہے' اس پر کمیشن کھا جاتا ہے اور دکاندار بھی دواؤں کی ایک لمبی فہرست کا جعلی بل دے دیتا ہے۔ یہ سب خیانت میں ملوث ہیں۔ ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے اس دن سے جب سب کے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور ہر نفس کو اس کا پورا پور اصلہ دیا جائے گا (2:281)

درزیوں کے پاس لوگ کپڑا لیجاتے ہیں۔ کپڑے سلنے کے بعد اکثر کپڑا بچ جاتا ہے جو درزی واپس نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ جھوٹ بول دیتے ہیں کہ بجلی کا سامان یا کپڑا جاپان کا ہے یا چین' امریکہ کا' حالانکہ یہ زیادہ تر پاکستانی یا ملیشیاء' انڈونیشیا کا ہوتا ہے۔ اکثر کپڑے کی ملیں Made in Japan کی مہر لگا کر خیانت کا ثبوت دیتی ہیں۔ ایسے لوگ دنیاوی فائدے کے طلبگار ہیں۔ ایسی زندگی کو قرآن حیوانی سطح کی زندگی کہتا ہے۔ جہاں یہ خائنین وقتی طور پر فائدے حاصل کر لیتے ہیں مگر ان کا انجام تو دوزخ کی آگ ہی ہے (11:15-16),(17:18)۔

حکومتوں کا یہ طریقہ ہے کہ محض اپنی پارٹی کو مضبوط کرنے کے لئے اور آئندہ الیکشن جیتنے کے لئے بلا ضرورت وزیر' مشیر' نائب وزیر وغیرہ مقرر کرتی ہیں۔ پھر ان لوگوں کے لئے کوٹھی' بنگلہ' گاڑی وغیرہ کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ غیر ملکی دورے تو آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ بھاری تنخواہیں اور دیگر مراعات سب عوام کے پیسے سے پورا کیا جاتا ہے جو بہت بڑی خیانت ہے۔ اسی خیانت کا خمیازہ ہم آج بھگت رہے ہیں۔ قرآن کہتا ہے "اور جو مصیبت بھی تم پر پڑتی ہے پس وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہے حالانکہ وہ بہت کچھ سے تو درگزر فرماتا رہتا ہے" (42:30)۔

اب آیئے معاشرے میں ان لوگوں کی طرف جو صرف اپنے حلئے سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔ اپنے حلئے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جاہل اور بے عقل لوگوں کو اپنا شکار بناتے ہیں۔ دو دن پہلے کے مقامی اخباروں میں ایک ڈاکے کی خبر شہ سرخیوں سے شائع ہوئی۔ کراچی کی میمن سوسائٹی کے ایک بنگلے میں ڈاکہ کے دوران ڈاکوؤں نے فجر کی نماز ادا کی۔ سب ڈاکو باریش تھے اور انہوں نے گھر کے مکینوں سے چوتھا کلمہ سنانے کو کہا۔ چوتھا کلمہ نہ سنانے پر ڈاکوؤں نے کہا کہ گھر پر ڈاکے کی مصیبت اسی وجہ سے ہے۔ یہی نہیں پورے ملک میں ہر پیر' فقیر اپنے حلئے کی بنیاد پر پکا مومن بنا ہوا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ جنت اس کا حق ہے جب کہ قرآن کا دو ٹوک فیصلہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے لوگ اپنے چہروں اور حلئے کو

عذاب سے بچنے کے لئے ڈھال بنائیں گے مگر یہ سب کچھ کسی کام نہ آئے گا (39:24)۔

ڈاکٹر اور حکیم اکثر مریضوں کی لاعلمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ مرض بھی بتا دیتے ہیں جو مریض کو نہیں ہوتا اور پھر یہ مریض روزانہ ڈاکٹر، حکیم کے مطب کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ بلاضرورت انجکشن لگانا بھی عام ہے۔ یہ سب خیانت ہے۔

معاشرے میں خیانت کی ایک اور عام مثال عامل اور روڈ پر بیٹھے پروفیسروں کی ہے۔ جاہل ہی نہیں بلکہ پڑھے لکھے لوگ بھی ان کے جھانسے میں آجاتے ہیں اور جسمانی بیماریوں کو آسیب زدہ سمجھ کر تعویذ، گنڈے اور لکھی ہوئی پلیٹیں خوب خریدتے ہیں۔ دہلی کے ایک عامل کا نرالا طریقہ ہے۔ جب کوئی مصیبت زدہ ان کے پاس آتا ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ ایک الو لیکر آؤ۔ الو تو جنگلوں میں ہوتا ہے۔ عامل صاحب اس کو ایک شخص کا پتہ بتاتے ہیں جس کے پاس انہی عامل نے ایک ہی الو پکڑ کر رکھوا رکھا ہے۔ ضرورت مند اس شخص سے الو خرید کر لا دیتا ہے اور الٹے سیدھے اعمال کے بعد چلا جاتا ہے اور الو واپس اسی شخص کے پاس جہاں سے خریدا گیا تھا پہنچ جاتا ہے۔ ہمارا پورا معاشرہ جادو ٹونہ پر یقین رکھتا ہے اور دلیل کے طور پر اس غلط حدیث کا سہارا لیتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نبی پر جادو کیا گیا تھا۔ جبکہ قرآن اس معاملہ میں واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ "اگر اللہ کے قانون کے مطابق مجھے کوئی تکلیف یا راحت ملے گی تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ اللہ ہی میرے لئے کافی ہے اور توکل کرنے والے تو اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں" (39:38)۔

بہت سے لوگ یتیموں کے اموال پر قابض رہتے ہیں۔ ولی یا متولی کی حیثیت سے تکے بے تکے طریقہ سے مال خرچ کرتے ہیں۔ اس میں کچھ اپنی اولاد کے نام بھی کر دیتے ہیں۔ قرآن کی تنبیہہ ہے کہ "یتیموں کے اموال کو فضول خرچی اور ان کے بڑے ہو جانے سے پہلے مت کھا جاؤ" (4:6) ریل گاڑیوں میں گارڈ اور ریلوے پولیس کو پیسے دیکر سفر کرنا بھی عام ہے۔

ہم خیانت سے امانت کی طرف آنا ہی نہیں چاہتے حالانکہ اس میں ہمارے لئے اللہ نے آسانیاں رکھی ہیں۔ اللہ تو ہمارا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے (4:28)۔

انسانی کمزوری کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ باہمی قرض کے معاملہ کو تحریر میں لے آنا چاہئے اور جس کو امین بنایا گیا ہے اس پر لازم ہے کہ امانت لوٹا دے (2:283) کیونکہ قرض لیکر مکر جانا فساد کی جڑ ہے اور روزانہ بے شمار جھگڑے اور قتل اسی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ امانت کو اس کے حقدار تک پہنچا دینے کا حکم ہے (4:58)۔ یہ صرف امانت لوٹا دینے ہی کی بات نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے وہ محرک موجود ہے جو امانت دار کو صحیح مومن کا درجہ دیتا ہے اور کامیابی کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے (23:8) (70:32)۔

قرآن امانت کی بہترین مثال کائنات سے دیتا ہے۔ سورۃ احزاب (33:72) میں امانت کا ذکر ہے جس کا بار اٹھانے سے آسمان و زمیں اور پہاڑوں نے انکار کیا۔ اور جسے اٹھانے کا فیصلہ انسان نے کیا۔ کائنات میں اور خود اپنے نفس پر غور کرنے سے اس امانت کی معرفت ہو جاتی ہے۔ کائنات کی ہر شے حکم الٰہی کی تعمیل کئے چلی جا رہی ہے اس لئے امین ہونے کا حق نبھا رہی ہے۔ اس کے برعکس انسان کو اس کی اپنی مرضی و ارادے کے مطابق اختیار دیا گیا ہے جیسے اس نے قبول کر لیا مگر اللہ کی منشاء سے گریز بھی انسان ہی کرتا ہے جسے سوائے جہالت اور خیانت کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ ذرا غور کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ امانت "فرقان" ہی ہے جس کی خیانت میں ہم ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔

قرآن ایسے لوگوں کا بھی ذکر کرتا ہے کہ اگر ان کے پاس ڈھیر ساری دولت امانت کے طور پر رکھ دی جائے تو وہ اسے لوٹا دیتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ایک دینار بھی نہیں لوٹاتے (3:75)۔ انگریزی اخبار Dawn مورخہ 24 جون میں خبر ہے کہ ایک CSP آفیسر جو کہ شجاع آباد کا 1998ء میں اسسٹنٹ کمشنر تھا بھاری رقوم کی خرد برد میں ملوث رہا اور قومی احتسابی ادارے

کے پیش نظر ایک کروڑ روپیہ سرکاری خزانہ میں جمع کرانے کے لئے راضی ہو گیا ہے۔ اسی اخبار میں 12 جون کی خبر ہے کہ دہشت گردی کنٹرول کرنے والی عدالت کے ایک جج کو سال قید اور دو لاکھ روپے جرمانہ کیا گیا۔ اس جج نے ایک قتل میں بھاری رشوت لیکر ملزم کو ضمانت پہ رہا کر دیا۔ جون کی خبر کے مطابق ایک ڈی۔ ایس۔ پی کراچی کے ڈی ے کالج کے امتحانی مرکز میں ایک چوری شدہ گاڑی میں آیا اور اپنے بھائی کو نقل کرانے کی کوشش کی۔ اسی طرح سندھ کے ٹنٹ جنرل آفس میں آرمی کی معائنہ ٹیم نے 3 کروڑ 30 لاکھ کے جعلی بلوں کی ادائیگی کا پتہ چلایا۔ سب سے بڑا بل محکمہ پولیس کا تھا جہاں 38,000 جیکٹ کی خریداری کی گئی مگر 26,000 جیکٹ غائب ہیں۔ ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے 45,000 روپے کا میڈیکل بل خود ہی پاس کروایا۔ سرکاری ایمبولینس گاڑیاں 44 لیٹر فی گاڑی کے حساب سے لیتی رہیں جس میں سے متعلقہ افسران بھی فائدہ اٹھاتے رہے۔ ایسی سیکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں خیانت کی مثالیں ہمارے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ملیں گی۔

خیانت کی ایک مثال کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے جو اکثر لوگوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے سورۃ بقرہ کی آیت 26 کا ایک حصہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن سے انسان بھٹک جاتا ہے۔ یعنی جو لوگ تبلیغی جماعت والوں سے ملتے ہیں ان سے "فضائل و اعمال" نامی کتاب پڑھنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ عام آدمی آیت کے ایک حصہ کو پڑھ کر واقعی تذبذب میں پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ خود اس آیت کو پڑھے تو صاف صاف لکھا ہے کہ صرف فاسق ہی اس سے گمراہ ہوتے ہیں۔ قرآن سے وہی لوگ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں جو واقعی سلامتی کے راستے پر چل کر ہدایت کے طالب ہوں (5:16) یہی وجہ ہے کہ لاکھوں کے اجتماعات ہوتے رہتے ہیں مگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ دعا قبول ہونے کے لئے اللہ کے احکامات کی کتاب قرآن کو اپنانا ہو گا' انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں تو انسانوں کے ذہن کی طرح محدود ہوتی ہیں۔ سورۃ الشوریٰ آیت 26 میں ہے "اور جو ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لائے ان کی دعائیں مستجاب ہوں گی اور اللہ ایسے لوگوں کو اپنے فضل سے نوازے گا"۔ ایسے نوازے ہوئے لوگ دنیا میں ہمیشہ کم ہی ہوں گے۔ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہر معاشرے میں ہمیشہ کمی رہے گی"۔ اگر تو اہل دنیا کی اکثریت کا کہا مانے گا تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے وہ تو صرف ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور بیکار باتیں کرتے ہیں (6:116)۔

خیانت کی سب سے تکلیف دہ اور افسوسناک مثال ان مسلمانوں کی ہے جو اپنے مرکز کعبتہ اللہ کو بھی اپنی خیانت کا شکار بنانے سے نہیں چوکتے۔ ایک خبر کے مطابق سعودی حکومت نے ایک پاکستانی اور ایک نائیجیریا کے باشندہ کے دائیں ہاتھ اس لئے کاٹ دیئے کہ انہوں نے کعبہ میں طواف کے دوران لوگوں کی جیبیں کاٹیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ حج کے زمانہ میں اکثر لوگ اس کا شکار ہوتے ہیں۔ کعبہ تو ہمارا ہی نہیں سارے انسانوں کا مرکز ہدایت ہے (3:96) مگر ہمارے دلوں سے تو خوف اللہ بالکل اٹھ گیا ہے۔ قرآن نے جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور ہٹ دھرمی کا ذکر کیا ہے' وہ ہماری حرکتوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

ہمیں قرآن کے احکامات کی روشنی میں اور نبیؐ کی سنت میں خیانت سے دور رہ کر امین کا درجہ حاصل کرنے کی کوششیں کرنی چاہیے۔ دوسرے نبیوں نے بھی یہی کیا۔ آج ہمارے معاشرہ میں خیانت کا بول بالا ہے اور کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو جتنا بڑا خائن ہے اس کی اتنی ہی زیادہ عزت ہوتی ہے۔ اللہ تو اپنے بندوں کی پکار کا جواب دیتا ہے (2:186) مگر اس شرط پر کہ ہم اس کے احکامات بجا لائیں۔ رسمی عبادات دل کو تو بہلا سکتی ہیں مگر آیات پر مکمل عمل ہی میں ہماری نجات ہے۔۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحقیق و تدوین الاشعری

اسلامی نظام کا نفاذ ـــــ کب اور کیسے؟

(نفاذ اسلام ہمارے تمام مسائل کا حل اور استحکام پاکستان کی ضمانت ہے)

خدا اور قرآن پر ایمان؟ :- اسلام' خدا کی کتاب (قرآن مجید) کے اندر محفوظ ہے۔ مروجہ اسلام کو حقیقی اسلام تصور کر لینے کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بڑے بڑے علماء و مشائخ' دانشور اور مشاہیر بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسلام' نے اللہ کے ایک اور قرآن کے ایک ہونے کا لازمی نتیجہ' مسلمانوں کا ایک قوم ہونا قرار دیا ہے۔ اگر خدا کی وحدانیت اور اس کی کتاب کی یکتائیت پر ایمان کے مدعی ہونے کے باوجود' یہ قوم امت واحدہ نہیں جس میں' خدا اور قرآن پر ایمان کے دعوے کے باوجود' مسلمان مختلف قومیتوں میں تقسیم ہو رہے ہیں۔ اگر خدا کی توحید پر ایمان کے دعویٰ کا نتیجہ امت کی وحدت نہیں تو قرآن کریم' اللہ پر اس قسم کے ایمان کو ایمان ہی تسلیم نہیں کرتا۔ مسلمانوں کا ایک' اللہ پر ایمان ہے پھر ان میں اس قدر اختلاف کیوں ہیں؟

--- یہ اس لئے کہ ہم خدا پر ایمان لانے کے عملی مفہوم کو سمجھے ہی نہیں۔

قائد اعظمؒ کے ذوق یقین' حسن تدبر' دیانتدارانہ سیاست اور عزم راسخ کی بدولت وہ خطہ زمین حاصل ہو گیا جس میں قرآنی نظام مملکت قائم کیا جانا مقصود تھا۔ اس سے ان مذہبی جماعتوں نے جنہوں نے اس کی آخر تک مخالفت کی تھی' ہمت نہ ہاری۔ وہ سامری کی طرح ہجوم کر کے ادھر آ گئیں۔ یاد کیجئے! قائداعظمؒ نے حصول پاکستان کے بعد اعلان کیا تھا کہ

"یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہو گی۔ جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں"۔

اگر قائداعظمؒ زندہ ہوتے تو وہ دیکھتے کہ پاکستان مل جانے کے بعد بھی اس اسلام پر کیا بیت رہی ہے جس کے احیاء کے لئے انہوں نے پاکستان لے کر دیا تھا۔ بہرحال ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہم اس میں ناکام رہ گئے اور پاکستان کے مخالفین کامیاب ہو گئے۔ یہ بدقسمتی ہماری ہی نہیں۔ پوری کی پوری انسانیت کی بدقسمتی ہے کیونکہ پاکستان نے اس نظام (قرآنی اور صرف قرآنی نظام) کی تجربہ گاہ بننا تھا جس سے نوع انسان نے اپنی منزل مقصود تک پہنچنا تھا۔ اس اعتبار سے ہم اپنی بدنصیبی کے بھی ذمہ دار ہیں اور مجرم۔ اور عالمگیر انسانیت کی بد نصیبی کے بھی ذمہ دار اور مجرم۔ ہزار سال بعد یہ نادر روزگار موقعہ ہمیں میسر آیا تھا' ہم نے اسے بری طرح کھو دیا۔

مذہبی فرقوں کے مولانا حضرات نے وہی روایتی اسلام قوم کے گلے میں ڈال کر اس کی کشتی کو ایسے بھنور میں پھنسا دیا کہ اب اس کے نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ اس کا تعلق مذہب کے ساتھ ہے اس لئے خدشہ ہے کہ آپ جذبات کے تحت سوچیں گے اور اس جسارت کو معاف نہیں کریں گے۔ ضرورت یہ ہے کہ عقل و دانش سے سوچا

جائے۔ "کتاب و سنت" کا یہ معصوم سا مطالبہ' وہ پھندا ہے جس کی وجہ سے آدھا پاکستان پہلے ہی گنوا چکے ہیں۔ اور آج "کتاب و سنت" کے نام پر باقی ماندہ پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے ہر کوئی آگاہ ہے۔ یاد رکھئے ! زہریلے دودھ کی دہی بھی زہریلی ہوتی ہے۔

اقبالؒ کا احسان:- علامہ اقبالؒ کا ملت اسلامیہ پر اس قدر عظیم اور گراں قدر احسان ہے جس سے وہ صدیوں تک عہدہ برا نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اسلام پر پڑے ہوئے ان سحر انگیز اور نگاہ فریب پردوں کو بڑی جرات سے اٹھایا اور اس حقیقت کو بڑی شد و مد سے واشگاف کیا کہ اسلام' ایک دین (بلکہ الدین) ہے اور مذہب اس کا نقیض ہے۔ یہ بڑا اجتہادی مسئلہ تھا۔ خداوندان مذہب اس کے اہل نہ تھے۔ کیونکہ وہ خود اس کی پیداوار تھے اور محافظ۔ اس عظیم اور قدیم مسئلے پر وہی شخص اجتہاد کر سکتا تھا جو قرآنی علوم سے سرشار' اسوہ حسنہ کا شیدائی اور امت مسلمہ کی سرفرازی اور آزادی کا تمنائی۔ چنانچہ انہوں نے ملوکیت اور فقہ ملوکیت سے بالاتر اور آزاد ہو کر' قرآن کی اصل روح کو سمجھا اور عزم اور ہمت کے ساتھ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت (ملائیت) کو صدیوں کے بعد حرام قرار دیا۔ وہ ان بتان عجم' کو پاش پاش کر کے تعمیر نو کے داعی تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک جدید اسلامی ریاست کے قیام کے لئے اجتہاد کیا جسے کروڑوں مسلمانوں نے قبول کیا۔ ان کے اجتہاد کی بنیاد پر 1947ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ قیام پاکستان کے بعد مسلمانوں کا قومی اور دینی فریضہ یہ تھا کہ علامہ اقبالؒ نے اپنے اجتہاد سے اسلام کی جن اصل صداقتوں کو منکشف کیا تھا ان کی رہنمائی میں تعمیر نو کا مشن پورا کیا جاتا۔ اسلام کا وہ نقشہ' جسے قرآن کریم نے پیش کیا اور جس کے مطابق امت مسلمہ کی سب سے پہلی مملکت قائم ہوئی۔ (حضورؐ کے بعد) اسے خلافت راشدہ کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی قرآنی قوانین و حدود کی پابند حکومت۔

اقبالؒ کے تصور کے مطابق اسلام کے نام پر پاکستان بنا۔ اس کی مابہ الامتیاز خصوصیت بھی وہی ہونی چاہئے تھی جو ایک اسلامی مملکت کی ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ہوا کیا! وہی کچھ ہوا جو نظام مذہبی پیشوائیت اور نظام ربٰو (سرمایہ داری) میں ہوتا ہے۔ ملک میں زمانہ ملوکیت کے اقانیم ثلاثہ۔ سلطانی و ملائی و پیری کی حکمرانی بدستور قائم ہے۔ البتہ عصر حاضر میں "سلطانی' جاگیرداری' سرمایہ داری اور فوجی و سول نوکر شاہی" کے اقانیم ثلاثہ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

پاکستان کا تصور' فکر اقبالؒ کی تخلیق ہے لیکن اس کا جذبہ محرکہ کوئی ہنگامی واقعہ یا سیاسی مصلحت نہ تھی۔ یہ ان کی مدت العمر کے تدبر القرآن کا ماحصل تھا۔ اس مملکت کے وجود میں لانے کا مقصد یہ بتایا تھا کہ :

"اس سے اسلام کو ایسا موقعہ میسر آجائے گا جس سے یہ اس ٹھپہ کو مٹا سکے گا جو عرب ملوکیت نے زبردستی لگا رکھا ہے"۔ (خطبہ الہ آباد 1930ء)

لیکن انہیں اس کا بھی احساس تھا کہ مملکت میں قانون سازی کی صورت میں بڑی جرات کی ضرورت ہو گی' کیونکہ جذباتیت کی وجہ سے' فرقہ بند' مذہبی پیشہ وروں کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہو گی۔ اس باب میں انہوں نے کہا کہ :

"وہ سب سے بڑا سوال جو اس وقت ترکوں کے اور جو زود یا بدیر دیگر مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے' یہ ہے کہ اسلامی قوانین شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں؟ یہ سوال بڑا اہم ہے اور بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی۔ اس سوال کا جواب یقیناً (ہاں) اثبات میں ہونا چاہئے' بشرطیکہ اسلامی دنیا اس کی طرف عمرؓ کی روح کو لیکر آگے بڑھے۔ وہ

عمرؓ جو اسلام کا سب سے پہلا تنقیدی اور حریت پسند قلب ہے وہ جسے رسولؐ اللہ کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرات نصیب ہوئی کہ :

"حسبنا کتاب اللّٰہ" -- ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے"۔

مسلمانوں کا دینی فریضہ :- اسلام تو اسی صورت میں آزاد ہو سکتا ہے کہ جملہ قوانین مملکت' کتاب اللہ کی حدود میں رہتے ہوئے متعین کئے جائیں اور یہ' اپنی آزاد مملکت کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلامی نظام کا یہ تصور' امت کی نگاہوں سے صدیوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اسلامی مملکت کی قانون سازی کا یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جسے علامہ اقبالؒ نے بڑی شدومد سے دہرایا۔ ان کے نزدیک' مروجہ فقہ (خواہ وہ کسی فرقہ کی ہو) ناقابل تغیر نہیں۔ اس میں قرآن کی روشنی میں' تبدیلیاں از بس ضروری ہیں اور ناگزیر۔ اور اس نکتہ کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

"اسلام' میں اجتہاد کا دروازہ بند کر دینا' اسلام کے خلاف افتراء ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہوئی کہ مسلمانوں میں قانون کے تصور نے ایک خاص معین شکل اختیار کر لی۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ قوموں کے زوال کے زمانہ میں ذہنوں میں اس قدر جمود اور تساہل پیدا ہو جاتا ہے کہ بڑے بڑے مفکرین کو (انسان سمجھنے کی بجائے) معبود بنا دیا جاتا ہے۔ اگر علمائے متاخرین میں سے بھی بعض نے اس "افتراء" کو برقرار رکھا ہے تو وہ ان کا اپنا فعل ہے۔ دور حاضر کا مسلمان اس کا پابند نہیں کہ جس طرح انہوں نے برضا و رغبت اپنی فکری آزادی کو (اپنے خود ساختہ معبودوں کی) نذر کر دیا تھا۔ یہ بھی اپنی آزادی کو سلب ہونے دیں"۔ (چھٹا خطبہ)

اسلام صدیوں سے' مذہب کی شکل اختیار اور تصوف کا پیرھن زیب تن کئے چلا آرہا تھا اور ان تصورات نے ایسی پختگی اختیار کر لی تھی کہ کسی کو اس کا خیال تک بھی نہیں آسکتا تھا کہ یہ سب اسلام کے خلاف سازش کا نتیجہ ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے اجتہاد سے اس صورت حال کو جانچا' پرکھا اور چھانٹا پھٹکا اور مجتہد مطلق کے عزم اور ہمت سے انہیں "بتان عجم" قرار دیا۔ اس ساری بحث کو انہوں نے ایک فقرہ میں سمٹا دیا جس میں کہا کہ :

"تسخیر ایران کا نتیجہ یہ نہ نکلا کہ ایران اسلام کا حلقہ بگوش بن گیا' بلکہ یہ نکلا کہ اسلام ایرانیت کے رنگ میں رنگا گیا"۔

(مقالہ نیو ایرا' 28 جولائی 1917ء)

ہندو جانے نہ جانے؟ :- یہ تھی خلافت راشدہ کے بعد اسلامی مملکت کے قیام کی وہ ممکن العمل شکل جسے علامہ اقبالؒ نے پیش کیا اور جس کے مطابق ایک خطہ زمین کے حصول کے لئے قائداعظمؒ محمد علی جناحؒ تحریک پاکستان کو وجود میں لائے۔ وہ علامہ اقبالؒ کے پیش کردہ بنیادی اصولوں کو کس طرح واضح طور پر سمجھ چکے تھے۔ قائداعظمؒ نے اسلام کے قرآنی تصور کو کس کس انداز سے پیش کیا۔ اس کی مثالیں لاتعداد ہیں۔ یہاں صرف ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس میں انہوں نے پوری تفصیل کو اس طرح سمٹا کر رکھ دیا جیسے آنکھ کے تل میں آسمان۔ یہ الفاظ انہوں نے 1941ء میں' حیدر آباد (دکن) میں عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمائے تھے :

"اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت صرف خدا کی ہوتی ہے۔ جس کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام و اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً" نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی' نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے

اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے"۔ (اورینٹ پریس آف انڈیا' اگست 1941ء۔ روزنامہ انقلاب' لاہور' 8 فروری 1942ء)

یہ تھی قرآن کریم کی عظمت اور جامعیت جس پر قائداعظمؒ کا ایمان تھا۔ اسلام کے نظام کی اصل و بنیاد کے متعلق جو کچھ انہوں نے کہا ذرا غور فرمایئے ! دینیات میں مہارت کے مدعی (مذہبی پیشہ ور اور دانشور) کتنے ہیں جو اسلام کے متعلق اس گہرائی تک پہنچ سکتے ہیں؟ اور سنئے !

"اس حقیقت سے سوائے جہلا کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے۔ یہ ضابطہ حیات' مذہب' معاشرت' تجارت' عدل' فوج' سول فوجداری کے قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے"۔ (قائداعظمؒ کا پیغام عید 1945ء)

اسلام نام ہے امت واحدہ کے اس نظام اجتماعیہ کا جس میں قرآنی احکام و قوانین کی اطاعت' اپنی منتخب کردہ اتھارٹی کی وساطت سے کی جائے۔ اس حقیقت کو ہمارے بڑے بڑے ... و مشائخ نہ سمجھے اور سمجھا تو ہندو راہنماؤں نے سمجھا۔ ... جس زمانے میں مطالبہ پاکستان کا مسئلہ بحث و نزاع کا ... بن رہا تھا' مشہور کانگریسی لیڈر مسٹر منشی نے اکھنڈ بھارت کانفرنس' لدھیانہ میں اپنی صدارتی تقریر میں (اسٹیج پر بیٹھے ہوئے ایک مولانا کی موجودگی) میں فرمایا :

"تمہیں کچھ معلوم ہے کہ پاکستان کیا ہے؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہو کہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے مساکن بنا لیں جہاں زندگی اور طرز حکومت قرآنی اصولوں کے ڈھانچے میں ڈھل سکیں اور اردو ان کی قومی زبان بن سکے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک خطہ ارض ہو گا جہاں اسلامی حکومت ہو گی"۔ (ٹریبون' 2 نومبر 1941ء)

انسانیت سوز لعنتیں :۔ آپ تاریخ انسانیت پر غور کریں' ہر جگہ یہی نظر آئے گا کہ ملوکیت (انسانوں کی حکومت)' مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری نے اپنے گٹھ جوڑ سے انسانیت کا گلہ گھونٹ رکھا ہے۔ ملوکیت' انسان کی طبعی زندگی کی آزادی کو سلب کرتی ہے۔ پیشوائیت' اس کی فکری صلاحیتوں کو تباہ کرتی ہے اور سرمایہ داری' اس کی اخلاقی جراتوں کو پامال کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ تھیں وہ استبداد کی زنجیریں اور توہم پرستی کی سلیں' جنہیں قرآنی نظام (خدا کی حکمرانی) نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' جسے قرآنی اصولوں کی روشنی میں نبی اکرمؐ نے قائم کیا۔ یہی۔۔ نظام' وہ رحمت (Pattern) تھا جس کو مسلمانوں کی تاریخ میں دوسری مرتبہ متشکل کرنے کے لئے اقبالؒ نے تصور دیا اور قائداعظمؒ نے حصول پاکستان کے لئے اس قدر جدوجہد کی تھی۔

یاد رکھئے ! جب تک آپ اس تلخ حقیقت کو گوارا نہیں کر لیتے کہ فرقہ بندی (آج کل کی فریب نفس اصطلاح' مکتبہ فکر) کی زندگی قطعاً" اسلامی زندگی نہیں' آپ قرآن کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر نہیں آسکتے۔ قرآن کی رو سے صراط مستقیم ایک ہی ہے۔ فرقے صرف قرآنی نظام میں مٹ سکتے ہیں۔ ایسی مملکت میں جو قرآنی اصولوں کے مطابق وجود میں آئے اور جس کا تمام کاروبار قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔ اس مملکت میں جو قوانین نافذ ہونگے' ان کا اطلاق مملکت کے تمام باشندوں (مسلم اور غیر مسلم) پر یکساں ہو گا۔ اس میں نہ کوئی فرقہ ہو گا' نہ کسی کی الگ فقہ۔ قرآن' سب کا ضابطہ قوانین ہو گا۔ اس مملکت میں ہر فرد آزاد ہو گا۔ اسے اس امر کی کامل آزادی ہو گی کہ وہ اپنے مندر میں جائے یا مسجد میں' یا مملکت کی کسی دوسری پرستش گاہ میں' اس کی ذات یا مسلک کچھ بھی ہو' اس کا امور مملکت سے کچھ تعلق نہیں ہو گا۔ حق حکومت صرف

خدا کو حاصل ہے۔ جس کی عملی صورت' کتاب اللہ کے احکام و اصول کی حکمرانی ہے' اس کا واضح ارشاد ہے کہ

ولم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون ○ (5:44)-

"جو لوگ قرآن کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے' وہی تو کافر ہوتے ہیں"۔

خدارا سوچیں !:- قائداعظمؒ نے فرمایا :

"اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ سب اس باب میں مجھ سے متفق ہونگے' ہم خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں آخرالامر مسلمان ہیں لہٰذا اگر تم ایک ملت بننا چاہتے ہو تو خدا کے لئے صوبجاتی تفریق کو خیر باد کہئے صوبجاتی تفریق اور مذہبی فرقہ بندیاں' شیعہ' سنی وغیرہ لعنت ہیں"۔ (جلسہ عام ڈھاکہ میں تقریر۔ 21 مارچ 1948ء)

اگر ہم مملکت پاکستان کی بنیاد قرآن مجید پر رکھتے اور اس تعلیم کو عام کرتے جاتے تو ہو نہیں سکتا تھا کہ مشرقی پاکستان علیحدہ ہو جاتا۔

اسلامی نظام کی بنیادی خصوصیات :- انسانی مساوات کے تصور کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آجاتا ہے جس میں کسی انسان کا کسی دوسرے انسان کا غلام ہونا تو ایک طرف'۔۔۔ کوئی کسی کا محکوم نہیں ہوتا اور نہ کسی کا محتاج۔ اس سے ایک نظام قائم ہو جاتا ہے جس میں تمام افراد معاشرہ' قوانین خداوندی کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے زندگی کے معاملات باہمی مشاورت سے طے کرتے ہیں اور یہ نظام ہر فرد کو اس کی ضمانت دیتا ہے کہ :

نحن نرزقکم وایاھم (6:152)--- "ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی"۔

قرآن کے معاشی نظام میں کوئی فرد اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ غریب اور امیر کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔

قائداعظمؒ نے یکم مارچ 1945ء کو مسلم لیگ ورکرز سے کلک[illegible] میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

"میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کر[illegible] سے اتنا دے رکھا ہے کہ میں اپنی بڑھاپے کی زندگی [illegible] نہایت آرام اور سہولت سے گزار سکتا ہوں۔ مجھے کی[illegible] ضرورت پڑی ہے کہ میں دن رات بھاگے بھاگے پھروں او[illegible] اپنا خون پسینہ ایک کر دوں۔ میں یہ تگ و تاز سرمایہ دارو[illegible] کے لئے نہیں کر رہا۔ میں یہ محنت شاقہ آپ غریبوں کے لئے کر رہا ہوں۔ میں نے ملک میں درد انگیز مفلسی کے مناظ[illegible] دیکھے ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ پاکستان میں ہر فرد خوشحالی کی زندگی بسر کرے"۔

قائداعظمؒ نے سرمایہ داروں' جاگیرداروں کو خبردار کر دیا تھا کہ پاکستان میں نظام سرمایہ داری قطعاً" بار نہیں پا سکے گا۔ انہوں نے 1943ء میں آل انڈیا مسلم لیگ (دہلی) کے سیشن میں اعلان کیا تھا کہ :

"اس مقام پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک فتنہ انگیز' ابلیسی نظام کی رو سے' جو انسان کو ایسا بدمست کر دیتا ہے کہ وہ کسی معقول بات کو سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا' عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ عوام کی محنت کو غصب کر لینے کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے؟ اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا۔ اگر سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہو گا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ۔ ہم ان کی

کوئی مدد نہیں کر سکتے"۔

ارض اللہ کی ملکیت:-

باطنِ اَلْاَرض لِلّٰہ ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است
(اقبالؒ)

اللہ تعالیٰ نے زمین کے متعلق فرمایا کہ وہ تمام نوعِ انسان کے لئے ذریعہ رزق ہے۔ اس لئے اسے تمام افرادِ انسانیہ کے لئے یکساں طور پر کھلا رکھنا چاہئے۔ اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس بنیادی حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب زمین کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی' تو نہ کوئی شخص زمیندار ہو سکتا ہے نہ اس کا کوئی مزارع جسے زمین بٹائی پر دی جائے یا پٹہ پر۔ مزارعت بھی' سودی کاروبار ہے یعنی ربٰو۔ اسلام کا معاشی نظام سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ربٰو کسے کہتے ہیں۔ زمانہ' نزولِ قرآن میں عربوں میں "سرمایہ داری" کی اصطلاح رائج نہیں تھی۔ اس کے بجائے ربٰو کی اصطلاح عام تھی۔ اس لئے یوں سمجھئے کہ ربٰو سے مراد نظامِ سرمایہ داری ہے۔ قرآن کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ **لیس للانسان الا ماسعٰی** (53:39)- "معاوضہ محنت کا ہے"۔ اس کے برعکس نظامِ سرمایہ داری میں معاوضہ سرمایہ (Capital) یعنی روپے کا ہوتا ہے۔ للہذا' اسلامی نظام اور نظامِ سرمایہ داری ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بالفاظ دیگر' قرآن کریم کی رو سے نظامِ ربٰو' اسلامی مملکت کے خلاف بغاوت ہے یعنی جس طرح اسلام اور ملوکیت کا نظام یکجا نہیں ہو سکتے۔ اس طرح اسلام اور نظامِ سرمایہ داری بھی یکجا نہیں رہ سکتے۔ نظامِ سرمایہ داری کی بنیاد فاضلہ دولت (Surplus Money) پر ہوتی ہے۔ اسی دولت کے بل بوتے پر سرمایہ دار' دوسروں کی محنت کے ماحصل کو چھین لیتا ہے۔ قرآن کی زبان میں فاضلہ دولت کو العفو کہہ کر پکارا ہے۔ اس کے نظام میں العفو کسی کے پاس نہیں رہتا۔ ظاہر ہے کہ جب کسی کے پاس فاضلہ دولت رہے گی نہیں' تو نظامِ سرمایہ داری خود بخود ختم ہو جائے گا۔

علامہ اقبالؒ پہلے مجتہد ہیں' جنہوں نے ملوکیت (ہر وہ نظام جو غیر قرآنی ہو) کو حرام قرار دیا ہے۔ "ارمغان حجاز" میں خلافت اور ملوکیت' دو متضاد طرز ہائے حکومت کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ علامہؒ لکھتے ہیں:

"عربوں نے نورِ مصطفیٰؐ سے منور ہو کر عالمِ مشرق کے مردہ چراغ کو نورِ نبوت سے منور کر دیا۔ لیکن بعد میں نام نہاد اموی و عباسی گمراہ خلافت نے پھر سے گمراہی پھیلا دی اور پہلی دفعہ مسلمانوں کو ملوکیت کی تعلیم دی"۔

مذہب سب سے بڑا طاغوت:- یاد رکھئے! مذہب اور دین دو متضاد عناصر ہیں جو ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جو قوم مذہب چھوڑنے کو تیار نہ ہو' وہ کبھی دین اختیار نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی دعوت کو اہلِ کتاب نے قبول نہیں کیا تھا۔ ان کے راستے میں مذہب حائل ہو رہا تھا۔ قرآن نے ایمان باللہ کے لئے کفر بالطاغوت کو لازمی شرط قرار دیا ہے اور دین کے مقابلہ میں سب سے بڑا طاغوت مذہب ہوتا ہے۔ یہ نظام اس قوم کے ہاں قائم ہو سکے گا جو مذہب کو تیاگ چکی ہو اور اس کے بعد' وہ مذہب پرست مسلمانوں کی تبلیغ سے نہیں بلکہ از خود قرآن مجید پر غور و تدبر کے بعد' اسلام کی طرف آئے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کی تبلیغ سے وہ کسی نہ کسی فرقہ میں داخل ہو گی اور فرقوں کی موجودگی میں اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔

میں سلیم کو پورا "دستور حیات" دے دیا۔ اپنا غصہ نکالنے کے بعد انہیں یکایک خیال آیا کہ انہوں نے سلیم کے دل کو "پھرولنے" کی تو ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور اپنے بیٹے کے دل کا ماجرا جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ بس پھر کیا تھا وہ سلیم کے کمرے کی طرف چلے اور اس سے اپنی تنک مزاجی کی معافی طلب کی۔ انہوں نے اس سے کہا کہ اب وہ بولے گا اور وہ خود اس کی بات بغیر کسی دخل اندازی کے سنیں گے۔ سلیم کے والد کا اتنا کہنا تھا کہ سلیم نے اپنا دل ان کے سامنے کھولنا شروع کر دیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ اپنے نئے سکول میں ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہا' ریاضی کا مضمون اس کے سر کے اوپر سے گزر رہا ہے اور ان دنوں وہ ٹائپنگ سیکھنے کی بھی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ اتنی مشکلات سے نمٹنے کے بعد جب اس کے والدین بھی اس سے اظہار ہمدردی کرنے کی بجائے اس سے مطالبات کرتے ہیں اور اپنے احسانات کی لمبی فہرست بار بار پیش کرتے ہیں تو وہ ...لا اٹھتا ہے۔ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس کے والدین ... کی ذہنی و جذباتی حالت سے کوسوں دور ہیں اور انہیں ...لم نہیں کہ ان کے بیٹے پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ سب ... کے بعد سلیم کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اس کے ... کے ساتھ خوشگوار تعلقات بحال ہو گئے اور وہ ...لات پر ہمدردانہ غور و فکر کرنے پر تیار بھی ... رویے میں یہ بنیادی تبدیلی اس لئے پیدا ... والد نے دھیان سے اس کی بات سنی اور ا... مسائل کو دیکھا۔ دوسروں کو سمجھنا اس ... ہر انسان کو انسانی سطح پر زندہ رہنے کے ... ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ... میں اس کی نفسیاتی و جذباتی کیفیت

یہاں پر اپنے ساتھ گزرا ہوا ایک وا... سناتا ہوں۔ کچھ دن ہوئے کہ مجھے ایک حکیم... جانے کا اتفاق ہوا۔ جونہی میں ان کے مطب... وہ مجھے میری علامات مرض بتانے لگے۔ میں... درخواست کرتا کہ خدارا مجھے خود اپنی کیفیت... اور پھر جب میری تسلی ہو جائے کہ میں نے... متعلق آپ کو ساری تفصیل بتا دی ہے تو... کریں لیکن موصوف تو تشخیص سے قبل ہی... پر مصر تھے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ میں نے... سے رخصت طلب کی اور اپنا حال دل بیان... کسی ایسے معالج کی تلاش میں چل پڑا جو دل... میری سنتا اور میری کیفیت سے مطابقت پیدا... علاج کا سلسلہ شروع کرتا۔

ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کی بات دھیان... اور اس کی کیفیت کو محسوس کیا جائے۔ وہ چا... کی قلبی حالت سے ہم آہنگی پیدا کی جائے... دوسروں کی بات کو خالی الذہن ہو کر اور اپنا... نظر پس پشت ڈال کر سننے کی عادت نہیں ہے... دوسرے کی بات سن رہے ہوتے ہیں تو دراصل... بات نہیں سنتے بلکہ اس کی بات کا جواب اپنے... کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہمیں... بتاتا ہے تو ہم اس کا احتساب شروع کر د... نصیحتیں اور مشورے دینے کے لئے تو ہر... تیار رہتے ہیں۔ یہاں پر ہم آپ کو سامع... اسلوب بتاتے ہیں جو ہم اپنی روز مرہ زندگی میں... کرتے ہیں جن سے ہمارے انسانی رشتے کمزور... اور ہمارا حلقہ اثر بھی سکڑنا شروع ہو جاتا ہے

میں سلیم کو پورا "دستور حیات" دے دیا۔ اپنا غصہ نکالنے کے بعد انہیں یکایک خیال آیا کہ انہوں نے سلیم کے دل کو "پھرولنے" کی تو ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور اپنے بیٹے کے دل کا ماجرا جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ بس پھر کیا تھا وہ سلیم کے کمرے کی طرف چلے اور اس سے اپنی تنک مزاجی کی معافی طلب کی۔ انہوں نے اس سے کہا کہ اب وہ بولے گا اور وہ خود اس کی بات بغیر کسی دخل اندازی کے سنیں گے۔ سلیم کے والد کا اتنا کہنا تھا کہ سلیم نے اپنا دل ان کے سامنے کھولنا شروع کر دیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ اپنے نئے سکول میں ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہا' ریاضی کا مضمون اس کے سر کے اوپر سے گزر رہا ہے اور ان دنوں وہ ٹائپنگ سیکھنے کی بھی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ اتنی مشکلات سے نمٹنے کے بعد جب اس کے والدین بھی اس سے اظہار ہمدردی کرنے کی بجائے اس سے مطالبات کرتے ہیں اور اپنے احسانات کی لمبی فہرست بار بار پیش کرتے ہیں تو وہ [illegible]لا اٹھتا ہے۔ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس کے والدین [illegible] کی ذہنی و جذباتی حالت سے کوسوں دور ہیں اور انہیں علم نہیں کہ ان کے بیٹے پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ سب کہنے کے بعد سلیم کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اس کے [illegible]ین کے ساتھ خوشگوار تعلقات بحال ہو گئے اور وہ [illegible]کلات پر ہمدردانہ غور و فکر کرنے پر تیار بھی [illegible] کے رویے میں یہ بنیادی تبدیلی اس لئے پیدا [illegible] والد نے دھیان سے اس کی بات سنی اور ا[illegible] مسائل کو دیکھا۔ دوسروں کو سمجھنا اس [illegible] ہر انسان کو انسانی سطح پر زندہ رہنے کے [illegible] ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ [illegible] میں اس کی نفسیاتی و جذباتی کیفیت

یہاں پر اپنے ساتھ گزرا ہوا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ کچھ دن ہوئے کہ مجھے ایک حکیم [illegible] جانے کا اتفاق ہوا۔ جونہی میں ان کے مطب [illegible] وہ مجھے میری علامات مرض بتانے لگے۔ میں [illegible] درخواست کرتا کہ خدارا مجھے خود اپنی تکلیف [illegible] اور پھر جب میری تسلی ہو جائے کہ میں نے [illegible] متعلق آپ کو ساری تفصیل بتا دی ہے تو پھر [illegible] کریں لیکن موصوف تو تشخیص سے قبل ہی [illegible] پر مصر تھے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ میں نے [illegible] سے رخصت طلب کی اور اپنا حال دل بیان [illegible] کسی ایسے معالج کی تلاش میں چل پڑا جو دل [illegible] میری سنتا اور میری کیفیت سے مطابقت پیدا [illegible] علاج کا سلسلہ شروع کرتا۔

ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کی بات دھیان [illegible] اور اس کی کیفیت کو محسوس کیا جائے۔ وہ چا[illegible] کی قلبی حالت سے ہم آہنگی پیدا کی جائے [illegible] دوسروں کی بات کو خالی الذہن ہو کر اور اپنا [illegible] نظر پس پشت ڈال کر سننے کی عادت نہیں ہے [illegible] دوسرے کی بات سن رہے ہوتے ہیں تو دراصل [illegible] بات نہیں سنتے بلکہ اس کی بات کا جواب اپنے [illegible] کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہمیں [illegible] بتاتا ہے تو ہم اس کا احتساب شروع کر د[illegible] نصیحتیں اور مشورے دینے کے لئے تو ہر [illegible] تیار رہتے ہیں۔ یہاں پر ہم آپ کو سامع[illegible] اسلوب بتاتے ہیں جو ہم اپنی روز مرہ زندگی میں [illegible] کرتے ہیں جن سے ہمارے انسانی رشتے کمزور [illegible] اور ہمارا حلقہ اثر بھی سکڑنا شروع ہو جاتا ہے

تاکہ ہم ان سے مستقبل میں اجتناب کر سکیں۔

○ کوئی ہم سے بات کر رہا ہے لیکن ہم اپنے ہی خیالوں میں گم ہیں۔

○ ہم دوسرے کی بات سننے کی اداکاری کرتے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم اس کی بات نہیں سن رہے ہوتے۔ ہم ہاں ہوں کہہ کر یا ایک آدھ لفظ کا لقمہ دے کر دوسرے کو یہ تاثر دے رہے ہوتے ہیں کہ اس کی بات سنی جا رہی ہے جب کہ امر واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ہم سن نہیں رہے ہوتے بلکہ سننے کا سوانگ بھرتے ہیں۔

○ ہم گفتگو کا وہ حصہ سنتے ہیں جس میں ہماری دلچسپی ہو اور پھر کسی بھی ایک لفظ سے ہمارے خیالات کا سلسلہ اپنے من پسند موضوع کی جانب منتقل ہو جاتا ہے اور یوں ہم مخاطب کی بات اس کے پورے سیاق و سباق کی روشنی میں سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم دوران گفتگو ہی اپنے خیالات کی نجی محفل سجا لیتے ہیں اور مخاطب کے مافی الضمیر کو جزوی یا کلی طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

○ ہم زیادہ سے زیادہ الفاظ سنتے ہیں لیکن الفاظ کے پردے میں ملفوف احساسات و جذبات تک ہماری رسائی نہیں ہوتی۔ ہم ان احساسات و جذبات تک نہیں پہنچ پاتے جن کی ترجمانی الفاظ کر رہے ہوتے ہیں۔

○ ہم اپنے معتقدات و تجربات کے ترازو میں لوگوں کو تولتے ہیں اور انہیں مخلص دوست کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ منصف بن کر یکطرفہ فیصلہ سنا دیتے ہیں۔

○ جونہی ہمیں کوئی اپنا مسئلہ بتاتا ہے تو ہم اس کا مسئلہ سننے کی بجائے فی الفور تجاویز کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ اس طرح ہم ناصح کا ناپسندیدہ کردار تو اختیار کر لیتے ہیں لیکن ایک امکانی دوست کی رفاقت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

○ ہمیں کوئی اپنی بات میں شامل کرنا چاہے تو ہم معاملے کی چھان بین کرنے کے لئے سوالات کی اتنی بھرمار کر دیتے ہیں کہ بات کرنے والے کی حوصلہ شکنی ہو جاتی ہے اور وہ چپ سادھ لیتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ ہم کس طرح اپنی روزمرہ زندگی میں سننے کے غیر موثر اسلوب اختیار کر کے لوگوں کو اپنے قریب کرنے کی بجائے اپنے سے دور کر لیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہمیں بتاتا ہے کہ سکول میں اس کے دوست نہیں بن رہے اور وہ اکلاپے کا شکار ہے۔ ہم اس کی بات کے جواب میں موسم کی غیر یقینی روش کا رونا لیکر بیٹھ جاتے ہیں تو ہم نے اسے یہ تاثر دیا کہ ہم نے اس کی بات سرے سے سنی ہی نہیں اور ہم اپنی ہی کیفیات میں کھوئے رہے۔ جب کہ اس کی بات کے جواب میں ہمارا یہ کہنا کہ جمیل میرا گہرا دوست ہے اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ہم نے اس کی بات سے لفظ دوست منتخب کر کے اپنی ہی رام کہانی شروع کر دی۔ ہمارا اسے یہ جواب دینا کہ تمہیں خود دوسروں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہئے درحقیقت اسے نصیحت کرنے کے مترادف ہے اور ہم اگر اس سے جواباً یہ کہیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ لڑکے تمہارے دوست نہیں بن رہے کہیں تمہاری تعلیمی کارکردگی تو غیر تسلی بخش نہیں ہے۔ اس طرح ہم نے معاملے کی تفتیش تو کی لیکن اس کی قلبی کیفیت کو سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ سب جوابات ظاہر کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے برادر خورد کی کیفیت کو اپنے دل کے آئینے میں منعکس ہونے کا موقعہ نہ دیا۔ ان تمام جوابات کے برعکس اگر ہم اسے یہ کہتے کہ دوستوں کی عدم موجودگی میں یقیناً تم تنہائی محسوس کرتے ہو گے تو وہ مزید اپنی باطنی کیفیت کے متعلق بتاتے ہوئے کہتا کہ میرے کلاس فیلوز جلیل اور اسفند یار میرے ساتھ بے رخی برتتے ہیں اور مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی کہ کیسے ان کے دل میں اپنی جگہ بناؤں۔

ہم اسے جواباً" اگر یہ کہتے کہ تم خاصے پریشان معلوم ہوتے ہو تو وہ مزید اپنا حال دل بیان کرتے ہوئے کہتا کہ یقیناً ایسا ہی ہے جب میں پرانے مدرسے میں تھا تو خاصا مقبول تھا۔ یہاں پر اس نے دوستی بنانے میں پیش قدمی بھی کی لیکن پھر بھی بات نہیں بن رہی۔ ہم اسے یہ کہتے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ تم خاصے متفکر ہو تو وہ اپنی حالت کے متعلق بتاتا کہ شاید مجھ میں ہی کوئی خرابی ہے تو ہم اسے جواباً" یہ کہتے کہ نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے تم صرف اس وقت مایوس ہو۔ یہاں تک جب باہمی گفتگو پہنچتی تو ہمارا بھائی مکمل طور پر مطمئن ہو جاتا کہ ہم اس کی قلبی حالت کو سمجھ گئے ہیں اور وہ ہمارا شکر گزار ہوتا اور ہم سے خود پوچھتا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

اس سارے واقعہ میں ہم نے دیکھا کہ بڑے بھائی نے دل کے کانوں سے اپنے چھوٹے بھائی کی بات سنی اور اس کی قلبی کیفیت کے ساتھ کامل ہم آہنگی پیدا کر لی۔ اس کے دل کو جیت لیا اور پھر چھوٹا بھائی خود ہی اس سے اپنے مسئلے کے حل کے لئے رجوع کرنے لگا۔ بس ہمیں بھی تشخیص سے قبل نسخہ تجویز نہیں کرنا چاہئے۔

ہمیں اگر دوسروں کو اپنا فکری ہمنوا بنانا ہے تو ہمیں اپنے طریقہ کار میں درج ذیل نمایاں تبدیلیاں لانا ہوں گی۔

○ ہمیں یہ بنیادی حقیقت جان لینی چاہئے کہ ہر کوئی دنیا کو اپنے مخصوص انداز نظر سے دیکھتا ہے۔

○ ہمیں بحث و تمحیص سے کلیتاً" اجتناب کرنا چاہئے اور کبھی دوسرے کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ غلط سوچ رہے ... صورت میں ہمارا یہ کرنا مفید ہو گا کہ "میں ... معاملے کا یہ پہلو بھی آپ پیش نظر رکھیں تو ... ہم آہنگی کی فضا پروان چڑھے گی"۔

... حاضر دماغی سے دوسرے کی بات سننی چاہئے اور بات سنتے وقت لمحہ موجود میں موجود رہنا چاہئے۔

○ ہمیں خالی الذھن ہو کر اور اپنے تعصبات سے آزاد ہو کر دوسرے کی دل کے کانوں سے سنی چاہئے۔

○ ہمیں اپنی سنانے سے پہلے دوسرے کی سنی چاہئے۔

○ ہمیں دوسرے کا نقطہ نظر کھلے دل و دماغ سے سننا چاہئے اور اسے اپنے لفظوں میں بیان کرنا چاہئے تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ ہم پوری طرح اس کی بات سمجھ گئے ہیں۔

○ ہمیں اپنے مخاطب کے احساسات و جذبات کو بھی سمجھنا چاہئے۔ ہمیں بولنے والے کے صرف الفاظ ہی نہیں سننے چاہئے بلکہ الفاظ کے نقاب میں ان کے احساسات و جذبات کے ساتھ بھی مطابقت پیدا کرنی چاہئے۔

○ ہمیں خود بولنے سے زیادہ دوسرے کو بولنے کا موقعہ دینا چاہئے۔

○ ہمیں کسی بھی صورت دوران گفتگو اپنے مخاطب کی عزت نفس پر حملہ نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اس کی انا کو ٹھیس پہنچانی چاہئے۔

○ ہمیں دوسروں کے خیالات بلا واسطہ بدلنے کی بجائے بالواسطہ بدلنے چاہئے۔

○ ہمیں کسی بھی صورت دوران گفتگو غصے میں نہیں آنا چاہئے اور نہ ہی منفی جذبات کی بھینٹ چڑھنا چاہئے۔

اور سب سے اہم یہ ہے کہ ہمیں دوسروں کو بدلنے کی بجائے خود کو بدلنا چاہئے اور مختلف نقطہ ہائے نظر کو کشادہ قلبی سے قبول کرنا چاہئے۔ جب تک ہم دوسروں کے انداز نظر سے دنیا کو نہیں دیکھیں گے۔ اس وقت تک ہم ان کے قلب میں اپنے انداز نظر کے لئے نرم گوشہ نہیں پیدا کر سکتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگورہ سوات

ہمارا معاشی نظام -- ماضی اور حال

معاشی نظام تو روز اول سے بگڑا ہوا ہے اور یہی وجہ ر ایک طرف معاشرے کے خوشحال طبقے کے پاس راوانی ہے تو دوسری طرف پسا ہوا طبقہ دو وقت کی لئے ترستا نظر آتا ہے۔ رزق کے خزانوں پر مستبد پنجے گاڑ رکھے ہیں اور اسے صرف اور صرف اپنی لئے استعمال میں لایا جا رہا ہے۔

ں کے اجتماعی نظام میں سیاسی اور معاشی گوشوں میں ی کا ساتھ ہے' اگر ایک گوشے میں بگاڑ پیدا ہو گا تو گوشے میں بھی لازماً بگاڑ آئے گا۔ اسلامی نکتہ نظر ں نظام کی اساس ان مسلمات پر ہے کہ' خدا نے پیدا کیا تو مخلوق کی زندگی اور پرورش کے سامان کا ہی انتظام کر دیا ہے جسے "رزق" کہا جاتا ہے' ل یا وسائل پیداوار کے متعلق اس نے واضح انداز دیا کہ ان کی تقسیم اس طرح ہونی چاہئے کہ کوئی یات زندگی سے محروم نہ رہنے پائے' یہ ہے وہ جس پر وسائل رزق کو رہنا چاہئے اور جس کے ل کی تقسیم ہونی چاہئے۔ اس میں فساد کی شکل یہ کہ میں نے اوپر لکھا ہے) کہ کوئی فرد یا افراد کا ں اپنی ملکیت میں لے لے اور پھر اس کی تقسیم سے ہو کہ کسی کے پاس ضرورت سے کہیں زیادہ ئے اور دوسرے اپنی ضروریات سے محروم ہوں' لہٰذا روہ کے لوگوں کے محکوم و محتاج ہو جائیں جنہوں نے ان ذرائع رزق کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

قرآن کریم اس انداز معیشت کو فساد کہہ کر پکارتا ہے۔ یہاں پر ہم برملا کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا موجودہ معاشی نظام فساد کے علاوہ کچھ نہیں۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ خدا کے عطا کردہ رزق میں سے کھاؤ پیو لیکن ملک میں فساد نہ مچاتے پھرو۔

جہاں تک ذرائع پیداوار کو ذاتی ملکیت میں لے لینے کا تعلق ہے تو اس کے لئے قوم ثمود کی داستان کو سامنے رکھیں' اس زمانے میں گلہ بانی ذریعہ معیشت تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے چراگاہیں اور پانی کے چشمے بنیادی حیثیت رکھتے تھے' اس قوم کے ارباب اختیار نے انہیں اپنی ملکیت میں لے رکھا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ قوم کے نچلے طبقہ کے لوگوں کے مویشیوں پر ان کے دروازے بند رہتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ رزق کی ناہمواریوں پر مبنی نظام نے اس قوم کو تباہ کر دیا' آج رزق کے خزانوں پر سانپ بن کر بیٹھنے والوں کے سامنے کوئی یہ بات لائے کہ "جس طرح خدا نے تمہاری ہر کمی کو پورا کر کے تمہاری زندگی کو خوشگوار بنا دیا ہے اسی طرح تم دوسروں کی کمی کو پورا کر کے ان کی زندگی کو خوشگوار بناؤ" تو ان سانپوں کا وہی رٹا رٹایا جواب ہو گا جو اس وقت تھا کہ "میں نے یہ دولت

اپنی ہنر مندی سے کمائی ہے" مگر افسوس کہ ان پھنکارتے ہوئے سانپوں کو یہ معلوم نہیں کہ اس سے پہلے کتنے افراد اور کتنی اقوام ایسی تھیں جو دولت اور قوت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں مگر ان کے نظام کا فساد' اس کثرت دولت و قوت کے باوجود انہیں لے ڈوبا۔ جو معاشی نظام ماضی یعنی صدیوں پہلے رائج تھا جس کی ایک جھلک زیر نظر تحریر میں سامنے لائی گئی ہے وہی نظام آج بھی حال ہے اور جب ماضی اور حال میں ایک ہی رائج ہے تو اس بات سے کوئی انکار نہیں عبرتناک انجام سے وہ متقدم قومیں دوچار ہوئیں سے موجودہ مستبد قومیں بھی دوچار ہوں گی۔

سانحہ ارتحال

بزم طلوع اسلام جلالپور جٹاں کے فعال رکن محترم افتخار صاحب کے والد مکرم ماسٹر ... ماہ اگست ... گئے۔ مرحوم ایک بلند علمی اور وسیع المطالعہ شخصیت تھے اور انہیں فکر قرآنی سے بہرہ وافر عطا ہوا تھا۔ ... تعالیٰ مرحوم کو اپنے سحاب کرم سے نوازے۔ ادارہ مرحوم کے پس ماندگان اور اعزہ واقربا کے غم میں برابر ... ہے۔

عطیات برائے کراچی بزم آفس بلڈنگ پراجیکٹ

نمبر شمار	معطیات	رقم
-1	محترم محمد مختار' کراچی	5000
-2	بزم جلالپور جٹاں	600
-3	محترم حق نواز	200
-4	محترم ایم۔ عنایت' کینیڈا	100
-5	محترم ضرار احمد' بزم طلوع اسلام ڈنمارک	5000.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

انکار حدیث اور حنفیت

ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" کے شمارہ نمبر 18 اور 19 میں ایک مضمون "انکار حدیث اور حنفیت" کے عنوان سے دو اقساط میں شائع ہوا ہے جس میں "مولانا عمران ناصر بن عبدالجبار" صاحب نے نہ صرف حنفیوں بلکہ تمام مقلدین کو منکرین حدیث قرار دیا ہے۔ حنفی علماء عام طور پر ادارہ طلوع اسلام پر انکار حدیث کا بہتان تراشتے ہیں لیکن اہل حدیث کے نزدیک وہ خود منکر حدیث قرار پاتے ہیں۔ مضمون مذکورہ کے منتخب اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔

"چوتھی صدی ہجری تک تو مسلمان براہ راست قرآن و سنت کی تعلیم سے فیض یاب ہوتے رہے۔ لیکن جب چوتھی صدی ہجری کے شروع میں تقلید جیسی موذی مرض نے جنم لیا تو مسلمان افتراق اور انتشار کا شکار ہو گئے۔ تقلید نے گلشن محمدی کو کس طرح اجاڑا۔ مسلمانوں کو کس طرح دست گریبان کیا اس کا اندازہ تو ابتدائی طالب علم بھی لگا سکتا ہے۔ تقلید کے بے شمار مضر نتائج میں سے سب سے زیادہ مضر نتیجہ نصوص شرعیہ کے انکار کی شکل میں پیش آیا اور اس کام کا بیڑا سب سے زیادہ حنفی مقلدین نے اٹھایا۔ ہمارا یہ دعویٰ کسی خوش فہمی کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ ہم اس پر مفصل دلائل پیش کرنا چاہتے ہیں۔ حنفی مقلدین نے جب اپنے خود ساختہ مسائل کو قرآن و سنت کے ساتھ ٹکراتے ہوئے پایا تو انہوں نے قرآن و سنت کا انکار کرنے کے لئے عام طور تین طریقے استعمال کئے۔

1- تحریف

2- ایسے اصولوں کا وضع کرنا جن سے خود بخود انکار حدیث ہو۔

3- اور جو حدیث ان دونوں طریقوں سے بچ نکلے تو اس کو (نحن مقلدون یجب التقلید علینا) کی بے رحم تلوار سے تہ تیغ کر دینا۔"

"اپنے خود ساختہ مسائل کو جب انہوں (حنفیوں) نے قرآن و سنت کے ساتھ ٹکراتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے ایسے اصول وضع کئے جن سے خود بخود احادیث رد ہو گئیں۔ ان خود ساختہ اصولوں میں سے چند یہ ہیں:

1- یہ کہ اخبار آحاد کو قرآن کے عمومات اور ظواہر پر پیش کیا جائے اگر اس سے قرآن کے کسی عام یا ظاہر کی مخالفت ہوتی ہو تو قرآن کو لیا جائے گا اور اس حدیث کو رد کر دیا جائے گا۔

اس اصول کے تحت انہوں نے سکون و اطمینان اختیار کرنے کے متعلق ان تمام صریح و محکم احادیث کو رد کر دیا جن میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو رکوع و سجود میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا چونکہ "یاایھا الذین امنوا ارکعوا و اسجدوا" کی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

انکار حدیث اور حنفیت

ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" کے شمارہ نمبر 18 اور 19 میں ایک مضمون "انکار حدیث اور حنفیت" کے عنوان سے دو اقساط میں شائع ہوا ہے جس میں "مولانا عمران ناصر بن عبدالجبار" صاحب نے نہ صرف حنفیوں بلکہ تمام مقلدین کو منکرین حدیث قرار دیا ہے۔ حنفی علماء عام طور پر ادارہ طلوع اسلام پر انکار حدیث کا بہتان تراشتے ہیں لیکن اہل حدیث کے نزدیک وہ خود منکر حدیث قرار پاتے ہیں۔ مضمون مذکورہ کے منتخب اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔

"چوتھی صدی ہجری تک تو مسلمان براہ راست قرآن و سنت کی تعلیم سے فیض یاب ہوتے رہے۔ لیکن جب چوتھی صدی ہجری کے شروع میں تقلید جیسی موذی مرض نے جنم لیا تو مسلمان افتراق اور انتشار کا شکار ہو گئے۔ تقلید نے گلشن محمدی کو کس طرح اجاڑا۔ مسلمانوں کو کس طرح دست گریبان کیا اس کا اندازہ تو ابتدائی طالب علم بھی لگا سکتا ہے۔ تقلید کے بے شمار مضر نتائج میں سے سب سے زیادہ مضر نتیجہ نصوص شرعیہ کے انکار کی شکل میں پیش آیا اور اس کام کا بیڑا سب سے زیادہ حنفی مقلدین نے اٹھایا۔ ہمارا یہ دعویٰ کسی خوش فہمی کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ ہم اس پر مفصل دلائل پیش کرنا چاہتے ہیں۔ حنفی مقلدین نے جب اپنے خود ساختہ مسائل کو قرآن و سنت کے ساتھ ٹکراتے ہوئے پایا تو انہوں نے قرآن و سنت کا انکار کرنے کے لئے عام طور تین طریقے استعمال کئے۔

1- تحریف

2- ایسے اصولوں کا وضع کرنا جن سے خود بخود انکار حدیث ہو۔

3- اور جو حدیث ان دونوں طریقوں سے بچ نکلے تو اس کو (نحن مقلدون یجب التقلید علینا) کی بے رحم تلوار سے تہہ تیغ کر دینا۔"

"اپنے خود ساختہ مسائل کو جب انہوں (حنفیوں) نے قرآن سنت کے ساتھ ٹکراتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے ایسے اصول وضع کئے جن سے خود بخود احادیث رد ہو گئیں۔ ان خود ساختہ اصولوں میں سے چند یہ ہیں:

1- یہ کہ اخبار آحاد کو قرآن کے عمومات اور ظواہر پر پیش کیا جائے اگر اس سے قرآن کے کسی عام یا ظاہر کی مخالفت ہوتی ہو تو قرآن کو لیا جائے گا اور اس حدیث کو رد کر دیا جائے گا۔

اس اصول کے تحت انہوں نے سکون و اطمینان اختیار کرنے کے متعلق ان تمام صریح و محکم احادیث کو رد کر دیا جن میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو رکوع و سجود میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا چونکہ "یاایھا الذین امنوا ارکعوا و اسجدوا" کی

اور غسل میں نیت کی تمام احادیث' نماز میں سورۃ فاتحہ کی تمام احادیث' نماز میں داخل ہونے کے لئے تکبیر (اللہ اکبر) کی حدیث' حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت کی احادیث' مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اس حدیث کو اور "لا نکاح الا بولی" گھوڑے کے گوشت کے حلال ہونے والی تمام احادیث کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ قرآن پر اضافہ ہے یہ چند مثالیں ہیں ورنہ ان احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

2- یہ کہ حدیث کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب اس کے راوی کا عمل اس کے خلاف ہو۔ اس اصول کے تحت انہوں نے صحیحین میں موجود ابوہریرہ کی حدیث (اگر کسی برتن میں کتا منہ ڈالے تو اس کو سات مرتبہ دھویا جائے) اور عورت کے نکاح کے لئے ولی کا ضروری ہونے کی حدیث اور رکوع سے پہلے اور بعد رفع الیدین کی احادیث جن کے راوی عبداللہ بن عمرؓ ہیں ان احادیث کو ترک کر دیا یہ کہہ کر کہ راوی کا عمل ان احادیث کے خلاف ہے۔

3- ہر وہ حدیث قبول نہیں کی جائے گی جس کا راوی غیر فقیہ ہو۔ اس اصول کے تحت انہوں نے بہت سی ان احادیث کو رد کر دیا جن کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ۔ انسؓ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت بلالؓ حضرت جابرؓ بن سمرہؓ ان تمام صحابہ کی احادیث کو رد کر دیا کیونکہ یہ صحابہ ان کے نزدیک غیر فقیہ ہیں۔ تقلید' قیاس اور ان خود ساختہ اصولوں کی وجہ سے کتنی صحیح صریح مرفوع احادیث کا انکار کیا گیا اس کی تفصیل کے لئے دیکھیں (اصول الفقہ پر ایک نظر عاصم الحداد 59ء) (مقلدین ائمہ کی عدالت میں ابو انس یحییٰ گوندلوی ص 191 تا 189 (اعلام الموقعین)۔"

سرکاری عمرے

ماہنامہ اعراف انٹرنیشنل کراچی کی ستمبر 2000ء کی اشاعت میں سرکاری عمرے کے عنوان سے یہ خبر شائع ہوئی ہے:

"17 مارچ 1996ء کو قومی اسمبلی میں پیش کردہ تفصیلات کے مطابق ضیاء الحق صاحب نے 8 سالوں میں سرکاری خرچ پر 20 عمرے کئے جن پر 14147656 روپے خرچ ہوئے۔ نواز شریف صاحب نے 3 سالوں میں 3 عمرے کئے اور 1811701 روپے خرچ ہوئے۔ فاروق لغاری صاحب نے 2 سال میں 4 عمرے کئے اور 4239725 روپے خرچ ہوئے۔ بے نظیر صاحبہ نے 2 سال میں 8 عمرے کئے اور 7322672 روپے خرچ ہوئے۔ اس طرح مذکورہ بالا عمروں پر کل 27521884 روپے خرچ ہوئے۔ جولائی 1995ء سے بے نظیر صاحبہ کے غیر ملکی دوروں پر کل 35000000 روپے خرچ ہوئے۔ چودہ اراکین اسمبلی اور ان کے خاندان والوں کے بیرون ملک علاج پر 14278534 روپے اور 5 سرکاری ملازمین پر 2265000 روپے خرچ ہوئے۔ 95-1996ء کے لئے پاکستان کا کل بجٹ 430000 ملین روپے تھا جس میں تعلیم کے لئے 1614 ملین اور صحت کے لئے 2264 ملین روپے رکھے گئے تھے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کی کل آبادی 120 ملین خیال کی جاتی ہے۔ اس طرح صحت کی مد میں فی کس 19 روپے سالانہ بنتے ہیں' وہ بھی درحقیقت امیروں پر خرچ ہو جاتے ہیں' رہے مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بسنے والے غریب عوام تو وہ وقت آنے پر سیدھے اللہ کو "پیارے" ہو جاتے ہیں۔"

امام ابن قیم جنہیں فرقہ اہل حدیث کے علماء' امام ابو حنیفہؒ سے بھی بڑا رتبہ دیتے ہیں' وہ سیرت النبی پر اپنی مشہور کتاب هدی فی خیر العباد میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اسلام کے بعد عمرہ کو قیامت تک کے لئے حج کی عبادت میں شامل کر دیا گیا ہے اس لئے علیحدہ علیحدہ عمرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے اپنی

اس کتاب میں یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ نہ تو رسول اللہ صلعم اور نہ ہی کسی صحابی نے عمرہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ جب رسول اللہ صلعم فتح مکہ کے موقع پر مکہ شریف میں داخل ہوئے تھے تو اس وقت بھی انہوں نے عمرہ نہیں کیا تھا۔ (نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار جلد چہارم ص 315)۔

ہمارے اہل حدیث بھائی چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل مثلاً رفع یدین اور امین بالجہر پر بڑے بڑے مناظرے کرتے رہتے ہیں۔ لیکن انہوں نے عمرے کے بارے میں اپنے امام کے فتویٰ سے عوام کو کبھی آگاہ نہیں کیا۔ خیال رہے کہ جنرل ضیاء الحق کی حکومت سے پہلے لوگوں کو اس نفلی عبادت کا کوئی علم نہیں تھا اور شاید ہی کوئی نیک آدمی عمرے کے لئے جاتا ہو۔ لیکن انہوں نے عوام کو اپنی دینی محبت کے بارے میں بے وقوف بنانے کے لئے خود بھی سرکاری خرچ پر عمرے کئے اور بہت سے علماء کو بھی یہ سہولت میسر کی۔ اب ملک عزیز سے تقریباً ایک لاکھ لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں۔ جن پر اربوں روپے اور وہ بھی زرمبادلہ کی شکل میں خرچ ہوتے ہیں۔ جس کا ملک کی معاشیات پر منفی اثر پڑتا ہے۔

اسلامیات کی درسی کتابیں

نویں' دسویں جماعت کی اسلامیات لازمی کی کتاب کے سبق "حضرت آدم کی پیدائش میں" یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو زمین میں اپنا نائب بنایا تھا۔ یہاں پر خلیفہ کے معنی نائب کئے گئے ہیں' حالانکہ اس کے لغوی معانی بعد میں' آنے والے کے ہیں اور قرآن مجید میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کو (اپنے سے پہلی مخلوق) کا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں نے حضرت آدم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

یہ عقیدہ اسلام کی بنیادی تعلیم توحید کے خلاف ہے' کیونکہ اگر انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ مانا جائے تو پھر فرعون اور ابو جہل بھی انسان ہونے کے ناطے سے اللہ تعالیٰ کے خلیفے قرار پائیں گے۔

چنانچہ آئمہ اسلام نے اس عقیدے کا سخت نوٹس لیا۔ امام الماوردی اپنی مشہور کتاب الاحکام السلطانیہ کے صفحہ 15 پر فرماتے ہیں کہ علمائے اسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ جو کوئی انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ سمجھے وہ فاسق و فاجر ہے۔ امام ابن تیمیہ نے ایسے شخص کو مطلق کافر قرار دیا ہے۔ (الفتاویٰ الکبریٰ جلد سوم ص 553)۔

درود شریف کی غلط عبارت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث میں تحریف

چند ماہ پہلے طلوع اسلام میں درود شریف کی صحیح عبارت کی طرف علماء حضرات کی توجہ دلائی گئی تھی۔ کہ اس میں جو "آل" کا اضافہ کیا گیا ہے۔ وہ عربی گرامر کے مطابق بھی غلط ہے۔ عربی گرامر کے مطابق اگر یہ اضافہ کیا جائے تو پھر اس سے پہلے حرف جار "علی" کا دوبارہ لانا ضروری ہے۔ اس صورت میں درود شریف کی صحیح عبارت صلی اللّٰہ علیہ و علٰی آلہ وسلم ہوئی۔ لیکن جن لوگوں نے یہ اضافہ کیا تھا انہوں نے لفظ علٰی دوبارہ لگانے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق "آل" بھی رسول اللہ صلعم کی ذات میں شامل ہے۔ اس طرح ختم نبوت کے عقیدے پر زد پڑتی ہے۔

بتایا گیا ہے کہ اہل حدیث کے ایک ماہنامے "محدث" میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ حرف جار کے بغیر درود غلط نہیں بلکہ صحیح ہے اور اس کی تائید میں انہوں نے سورت النساء کی

آیت نمبر 1 کا حوالہ دیا ہے **واتقو اللہ الذی تساء لون به والارحام**۔ اس آیت میں "ہ" ضمیر ہے۔ جبکہ ارحام اسم ظاہر کا اس پر عطف ہے۔ لیکن یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ ارحام کے میم پر زبر ہے اور اگر یہ عطف ہوتا تو میم کے نیچے زیر آنی چاہئے تھی۔ اس کے لئے یہ کہا گیا کہ قرآن مجید کی ایک غیر معروف قرات میں "میم" کے نیچے زیر ہے۔ اس طرح قرآن مجید میں تحریف کی کوشش کی گئی۔ قرآن مجید کے متداول نسخے پر مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک کے مسلمانوں کا کامل اتفاق ہے کہ اس میں زیر' زبر کا فرق نہیں۔ اب اگر یہ زیر' زبر کا فرق مانا گیا تو بہت سی کمزور روایات میں قرآن مجید کی دوسری قراتوں کا ذکر ہے۔ اگر انہیں اختیار کر لیا جائے تو پھر قرآن مجید کی محکمیت ہی ختم ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں اس تحریف سے اس آیت کا مطلب غلط ہو جائے گا۔

اصل معاملہ یہ تھا کہ اہل حدیث نے ایک مجموعہ احادیث بعنوان منتقی الاخبار میں ہزاروں جگہ پر یہ غلط درود استعمال کیا ہے۔ یہ احادیث' حدیث کی مشہور کتابوں سے لی گئی ہیں جن میں درود کی عبارت عربی گرامر کے مطابق صحیح ہے۔ معلوم نہیں فرقہ اہل حدیث کے علماء کو کیا ضرورت پیش آگئی تھی کہ انہوں نے اس صحیح درود کی بجائے' غلط عربی والا درود اختیار کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ احادیث میں تحریف نہیں۔ احادیث میں اس تحریف کو ٹھیک کرنے کی بجائے' انہوں نے قرآن مجید میں ہی تحریف کر ڈالی۔ یہ حدیث شریف سے کیسی محبت ہے!۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ مولوی حضرات کبھی بھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتے چاہے اس کے لئے انہیں قرآن و حدیث میں تحریف ہی کیوں نہ کرنی پڑی۔ یہی کچھ فرقہ اہل حدیث کے رسالے "محدث" نے کیا ہے۔

145 نابالغ بچیوں کی بوڑھوں سے زبردستی شادی

ایک صاحب نے سندھی اخبار "شام" کا ایک تراشہ بھیجا ہے جس میں اس کے سندھڑی کے رپورٹر کی یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ سندھ میں گذشتہ دو سالوں کے دوران 145 نابالغ بچیوں کی شادی زبردستی سے بوڑھوں کے ساتھ کر دی گئی۔ یہ بچیاں کاروکاری کی رسم بد یا قتل وغیرہ کے عوض یا پیسے لیکر بوڑھوں سے بیاہ دی گئیں۔ ان میں سے دس نے خودکشی کر لی' پندرہ گھر چھوڑ کر بھاگ گئیں اور باقی مجبوری کی زندگیاں گزار رہی ہیں"۔

ان صاحب نے گلہ کیا ہے کہ ملک کے بڑے بڑے انگریزی اور اردو اخبارات نے اس سنگین واقعہ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

خیال رہے کہ نابالغ بچیوں کی شادی قانوناً" جرم ہے' اور جن علماء حضرات نے ان نکاحوں میں تعاون کیا ہے وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ' اس جرم میں برابر کے شریک ہیں' ان سب کے خلاف قانونی کارروائی ہونی چاہئے۔ سندھ کے وڈیرے ہی عام طور پر نابالغ بچیوں سے شادی کرتے ہیں۔ اراضی کے اسلامی قانون کے مطابق تو ایسے وڈیروں کا معاشرے سے خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے علماء جن میں مودودی صاحب بھی شامل ہیں' نے اس اسلامی قانون کے خلاف ان کی حمایت میں کتابیں لکھی ہیں۔ جماعت اسلامی جو اپنے آپ کو ملک کی صالح جماعت کے طور پر پیش کرتی ہے' اسے اس برائی کا نوٹس لینا چاہئے اور معصوم بچیوں' پر اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانی چاہئے۔

تیری آواز مکے اور مدینے

علامہ پرویز صاحب نے لوگوں کو قرآن کی طرف بلانا شروع کیا۔ تو ان پر انکار حدیث کا الزام لگا کر' انہیں کافر قرار

دے دیا گیا۔ حالانکہ وہ ان تمام احادیث کو تسلیم کرتے تھے جو قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق تھیں۔ اب ان کی مساعی رنگ لائی ہیں اور اخبارات کے کالم نویس بھی قرآن مجید کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ ایک صاحب نے پشاور سے شائع ہونے والے روزنامہ "میدان" کا ایک تراشہ بھیجا ہے جو اس کے کالم نگار عبدالواحد قلندر کی کاوش ہے۔ کالم نگار نے اپنے اس کالم میں جس کا عنوان "تقدیر کا فریب ہے" نیم تعلیم یافتہ مولوی حضرات کے اس وعظ کی قلعی کھولی ہے کہ اگر کوئی شخص امیر ہے تو اس کی تقدیر ہے اور اگر کوئی غربت کا شکار ہے تو اسے اپنی غربت پر صبر کرنا چاہئے۔ کالم نگار نے ان الفاظ میں' اس غلط عقیدہ کی دھجیاں اڑائی ہیں :

"تم ان رزق کے سرچشموں کو' جنہیں خدا نے تمام نوع انسانی کی پرورش کے لئے عطا کیا تھا' قبضہ میں لے لیا اور جب تم سے کہا جاتا ہے کہ انہیں کھلا رہنے دو تو تم تقدیر کے خود وضع کردہ عقیدہ کی آڑ لے کر اپنی اس روش کے لئے وجہ جواز پیدا کرنا چاہتے ہو جو یکسر ذلالت پر مبنی ہے اور کفر کا شیوہ ہے"۔

"قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ "فرعون نے کہا تھا۔ اے لوگو' بتاؤ ! کیا ملک مصر کی زمین اور اس میں بہتی نہریں میری ملکیت نہیں؟ یہ سب میری ملکیت ہیں' اس لئے تمہیں اقرار کرنا پڑے گا کہ میں ہی تمہارا ان داتا ہوں' اس لئے غلبہ و اقتدار بھی میرا ہی ہے" (79:24)۔ لیکن جب ذرائع رزق ان بندوں کے ہاتھ میں ہوں گے جو اللہ کی رزاقیت کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے زمین کا نظم و نسق سنبھالنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے تو وہ اعلان کریں گے۔۔۔۔۔

"زمین کو خدا نے تمام مخلوق کی پرورش کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس لئے یہ کسی فرعون کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی (55:10) " "یہ لوگوں کی بھوک مٹانے کا ذریعہ ہے اس لئے اسے کھلا رہنا چاہئے (54:73)"۔

قرآن پاک سے تعلق چھوڑ کر مسلمان ذلیل و خوار ہو رہے ہیں

روزنامہ نوائے وقت لاہور کی 19 ستمبر 2000ء کی اشاعت میں' جماعت اسلامی کے ایک لیڈر کا یہ بیان شائع ہوا ہے :

"خوشاب (نمائندہ نوائے وقت) جماعت اسلامی ضلع خوشاب کے نائب امیر کیپٹن ڈاکٹر رفیق نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ قرآن مجید ہمیں عزت و عظمت دینے کے لیے آیا تھا جب تک مسلمانوں نے قرآن پاک کا دامن تھامے رکھا وہ دنیا کے امام اور پیشوا رہے لیکن جیسے ہی مسلمانوں نے قرآن پاک سے اپنا تعلق کمزور کر لیا مسلمان دنیا بھر میں ذلیل و خوار ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ آج دنیا بھر کے اسلامی ممالک میں کہیں بھی قرآن پاک کا مکمل نظام نافذ نہیں ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی جماعت کے بانی نے کس طرح لوگوں کو قرآن سے دور کرنے کی کوشش کی۔ سورت الرحمٰن کی دسویں آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے زمین کو تمام انسانوں کے فائدے کے لئے بنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ غیر حاضر زمینداری' خالص سود ہے جو قرآنی حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑائی ہے۔

لیکن مودودی صاحب نے قرآن مجید کے اس حکم کو رد کرتے ہوئے' غیر حاضر زمینداری نظام کو خالص اسلامی ثابت کرنے کے لئے کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" تالیف فرمائی جسے بڑے زمینداروں نے شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے خاندانی منصوبہ بندی کا جواز قرآن مجید سے ثابت کیا تھا اور ان کا دعویٰ تھا کہ بہت سے صحابہ کرام نے اس کا جواز قرآن سے ثابت کیا تھا۔ لیکن مودودی صاحب اپنی تفسیر میں خاندانی منصوبہ بندی کو جائز سمجھنے والوں کو شیطان کا شاگرد قرار دیتے ہیں!۔

PAMPHLETS -- پمفلٹس

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔

مندرجہ ذیل پمفلٹس ۳ روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

آرٹ اور اسلام	-2	....
اسلام کیا ہے؟	-4	....
اسلام آگے کیوں نہ چلا؟	-6	....
اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	-8	....
اندھے کی لکڑی	-10	بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
جہاں مارکس ناکام رہ گیا	-12	حرام کی کمائی
....	-14	....
دوقومی نظریہ	-16	روٹی کا مسئلہ
....	-18	....
....	-20	عورت قرآن کے آئینے میں
فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟	-22	قرآن کا سیاسی نظام
قرآن کا معاشی نظام	-24	قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟	-26	کافرگری
....	-28	مقام اقبالؒ
مرزائیت اور طلوع اسلام	-30	مقام محمدی ﷺ
ماؤزے تنگ اور قرآن	-32	ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ	-34	Islamic Ideology
Is Islam a Failure?	-36	Why Islam is the Only True Deen?
Parmanent Values	-38	اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟
انسانیت کا آخری سہارا	-40	پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
نماز کی اہمیت	-42	ہم عید کیوں مناتے ہیں؟
Why Do We Lack Character?	-44	ہندو کیا ہے؟

نغمہ توحید

ملک حنیف وجدانی مرحوم

اول اعلیٰ' آخر اعلیٰ' سب سے اعلیٰ اللہ ہی
میرا مولیٰ' تیرا مولیٰ' سب کا مولیٰ' اللہ ہی
میرا اللہ' تیرا اللہ' سب کا اللہ' اللہ ہی

رب ہمارا' رب تمہارا' ربی الاعلیٰ' اللہ ہی
میرا داتا' تیرا داتا' سب کا داتا' اللہ ہی
میرا اللہ' تیرا اللہ' سب کا اللہ' اللہ ہی

وارث اللہ' باسط اللہ' سب سے سابق' اللہ ہی
مجھ پر غالب' تجھ پر غالب' سب پر فائق' اللہ ہی
میرا اللہ' تیرا اللہ' سب کا اللہ' اللہ ہی

بیج سے پیڑ اگانے والا' پتے سبز بنانے والا
میرا خالق' تیرا خالق' سب کا خالق' اللہ ہی
میرا اللہ' تیرا اللہ' سب کا اللہ' اللہ ہی

پھول کو خوشبو دینے والا' پھل کو لذت دینے ولا
میرا رازق' تیرا رازق' سب کا رازق' اللہ ہی
میرا اللہ' تیرا اللہ' سب کا اللہ' اللہ ہی

کل جہان بنائے اس نے' سورج چاند سجائے اس نے
سب کا فاطر' سب کا خالق' حمد کے لائق' اللہ ہی
میرا اللہ' تیرا اللہ' سب کا اللہ' اللہ ہی

پیٹ میں فرد بنانے والا' ماں کا دودھ پلانے والا
میرا مصور' تیرا مصور' سب کا خالق' اللہ ہی
میرا اللہ' تیرا اللہ' سب کا اللہ' اللہ ہی

مذھبی اور سیاسی فرقہ بندی

(قرآن حکیم کی روشنی میں)

سف گورایہ سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:
سیاسی فرقہ بندی قرآن حکیم کی روشنی میں" کا مطالعہ کیا۔ بہت خوب ہے۔ اس موضوع پر ایسی
یر سے انتظار تھا۔"

علی حجازی صدر شعبہ ابلاغیات پنجاب یونیورسٹی لاہور "مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی قرآن حکیم کی
کی بابت تحریر کرتے ہیں:
فر صاحب نے وہ تمام باتیں کہہ دی ہیں جو نئی نسل کے ذہن میں کلبلا رہی ہیں۔ انہوں نے صحیح
م کیا ہے اور بڑی عرق ریزی کی ہے۔ سیاسی دکانداریوں اور مذہبی فرقہ بندیوں سے بیزار لوگوں
س کتاب میں بہت کچھ موجود ہے۔ فاضل مصنف نے ارشادات خداوندی کی روشنی میں وہ راہ
ہے جو اتحاد اور اجتماعیت کی راہ ہے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اس راہ پر گامزن ہوں۔"

کستان نے اپنی ۶ ستمبر ۲۰۰۰ء کی اشاعت میں "مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی قرآن حکیم کی روشنی
علق تبصرہ کرتے ہوئے رقم کیا ہے:
امت محمدیہ میں اتحاد اور یک جہتی پیدا کرنے کے سلسلے میں نہایت اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔"

ئے وقت نے کتاب مذکورہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ۱۹ جولائی ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں لکھا ہے:
یں ایسے راستے کی نشاندہی کی گئی ہے جسے اپنا کر اتحاد و یگانگت کی فردوس گم گشتہ کو دوبارہ حاصل
ہے۔"

ب 685 صفحات پر مشتمل ہے۔ خوبصورت گٹ اپ کے ساتھ اعلیٰ کاغذ پر شائع ہوئی ہے۔

قیمت 400 روپے ہے۔

کتاب ہذا مکتبہ اخوت، الکریم مارکیٹ، سیکنڈ فلور، اردو بازار، لاہور کے علاوہ
طلوع اسلام ٹرسٹ سے حاصل بھی کی جاسکتی ہے۔

international system of order must be brought in place.[9] Then and only then m[ay] peace be kept between nations. The Qur'an supports the unity of nations whe[n it] states

> "... pay no heed to this question. Our objective is to make you a people with a universal outlook to be equidistant from all other peoples i.e. neither leaning towards any particular people nor estranged from another. Your responsibility is to keep a watch over the activities of other people of the world (to see that no nation is oppressing the other) and the responsibility of the *Rasool* is to watch over your activities." [Sura 3: Verse 143]

Systems put in place today are arguably aiming for the greater good. Yet during this process they are creating a larger rift between each system. For example, theoretically communism places power upon the workers of the nation, but in actuality the power continues to stay in the hand of the leadership.[10] As well, democracy attempts to look after the cause of all people, but all too often, it comes at the expense of people who are less fortunate or at the cost of other nations[11]. The equality of man and his worth are the foundation of what the Qur'an teaches.[12] One may suggest then that this is what each political system today is trying to establish although they seem to fail in one area or another. All systems take time to establish, and sacrifice is a fact of life in order to create a society that works for all humanity[13]. When all of humanity works together, the inner-self will reach a sense of fulfillment. These sentiments are reflected in some the ideology of some modern philosophers although the Qur'an had established this system 1400 years ago.

In the light of these factors it is seen that Islam does reflect a system of values different from Religion. The importance for humans is placed on bettering this world. His interactions with others and his understanding of his own psyche and environment are significant in Islam. The development of the self and the creation of a society of moral values are imperative. The broad range of study within Islam is not just for theologians, but philosophers, psychologists, economists and scientists Universality is the only way peace can be formed. Religion all to often focuses on a narrow study, which excludes many groups of people which causes ill faith and discord. Peace requires unity. Unity requires respect. Respect requires individuals to have common understanding of each other. *Din* reveals all of this and more. D*in* is not just a religion; it is a complete way of life.

---

[9] Ibid pg. 271
[10] Ibid pg. 272
[11] Ibid
[12] Ibid
[13] Ibid pg. 275

attaining common ends. These common ends are of socio-economic importance as when ones life on Earth has passed, there will still be future generations to follow. If during a lifetime, this man has only focused on himself, the existence of this future would be in jeopardy. Henceforth, the co-existence and co-operation in providing for the greater good of all people provides growth for the soul by not just receiving but by giving to his fellow man.[7] The Qur'an clearly supports this understanding when it states:

> They prefer others before themselves, although there be indigence among them; and whosoever is preserved from the covetousness of his own soul, these shall prosper. [Sura 59: Verse 9]

In order for mans soul to prosper, he must realize the importance of his surroundings and put forth all he can to assist in the betterment of his society. The contentment he receives from the generosity and love given to his fellow people brings his cosmic side fulfillment. Greed and selfishness act as a disease in the minds and hearts of many. With covetous acts, the good deeds for others deaden the disease of greed, and guard the soul from it[8]. This acts as a form of purification for the soul that again provides ultimate fulfillment in the mind. Through the teachings of the Qur'an we grow to realize that the co-existence of the cosmic with the rational develops human personality, which provides peace between man and his surroundings.

In a political system in accordance with *din*, the interests of all people are looked after. No matter ones culture, race, or economic situation, they must all be treated and represented equally. Unity of humanity is imperative in the Islamic society. It is one of the main tasks; the enhancement of unity, bestowed upon mankind. In modern society, there are several political systems focusing on a wide variety of issues. Each system conflicts with the other and ultimately many of today's wars are fought due to this matter. The forcing by a nation/group of an ideology foreign or incompatible to the other creates conflict that has no solution. No one person can force his power over another human being. The use of force is severely prohibited in Islamic Law. Force causes discontent and ill will within the mind of those being forced. This is detrimental to the ultimate goal of peace between mind, body, soul, and society. The whole Islamic system is based on the equality of man. A man who works and succeeds has the right to his earnings. Yet, his success should not be at the expense of another man. In an Islamic society, every man works for not only himself but for the betterment of everyone. In order for peace to occur, an

---

[7] Ibid pg.208
[8] Ibid pg. 209

very concisely provides mankind with the answers for the question that has caused the most confusion "what is the origin of life?"[2] The Qur'an states:

> Do not the unbelievers see that heavens and the earth were joined together, then We clove them asunder and We got every living thing out of the water. Will they then not believe? [Sura 21, Verse 30]

This short verse describes the foundation of life as being of aquatic origin or containing water as the essential component. Water is the major component of all living cells, and through many scientific discoveries, it is believed that life did originate water. Therefore both of these cases are in agreement with modern scientific findings.[3] Not only did this short verse explain the origins of life, but also the origins of the universe. The heavens (space) and earth at one time were just a large mass of gas and particles. The Qur'an states: "Moreover (God) turned to the Heaven when it was smoke and said to it and to the earth..." [Sura 41: Verse 11] The reference to smoke is important as modern ideas of the creation of the universe state that the universe in its early stages was a mass of gases. This gas was a suspension of particles, in both solid and liquid states of matter.[4] The elimination of confusion through understanding provides people with the will to move forward in society for a greater cause. Where most religious teachings contradict scientific discovery, Islam reinforces this thought and encourages research in this field to further expand our understanding.

As it can be seen, Islam supports rational mindedness for example, through science. However, the most important aspect of *din* is the development of human personality.[5] In order for man to attain peace, he must embrace both rational and cosmic states of mind. In mysticism, for one to enhance his cosmic self, to obtain ultimate contentment with his soul, all worldly pleasures (the rational) are to be left behind. In essence, inner happiness only comes from personal gain. This act is of self-centeredness where importance is placed on only the self, while mans surroundings and the betterment of society as a whole is of no importance. In Islam, this is not the case. Mans life is not strictly cosmic nor is it strictly rational. *Din* provides man with the happiness that he so desires in the cosmic sense while keeping the doors to his social side open. In order for man to feel contentment he must not close himself off from the outside world, rather he should embrace it to bring him closer to his fellow man.[6] When this occurs and he belongs in this social network he can work towards

---

[2] Bucaille M. The Bible The Qur'an And Science. pg 186

[3] Ibid

[4] Ibid pg. 139

[5] Parwez G.A. pg. 55

[6] Ibid

Voice Of Youth

Islam: A way of life

By
Imran Atcha
(student of Grade 13 Toronto, Canada)

The people are Muslim. Their life is Islam. Islam is the straight path that leads individuals to personal and societal fulfillment. A Muslim is anyone who desires to live his life in accordance with the Islamic teachings revealed to them in the Holy Scripture, The Qur'an. The common understanding and misconception is that Islam is just another religion. The question then is "what is Islam if not a religion?" To simplify things or perhaps to complicate them further, Islam is a *Din*. *Din* is an Arabic word that has no English equivalent, although it encompasses all that is Islam. It gives reasons for this life and goals to which humans should aspire.

In order to truly understand Islam, one must change the common view of Islam as a religion, and see that Islam is truly a *Din*. One asks "how is *Din* different from religion?" The word "religion" causes many conflicts. There are numerous definitions for religion, none of which reflect a greater concept. Religion may take the form of science, a single set of ideologies, a narrow field of study etc. Each of these ultimately conflict with the other. The two common understandings of religion are: (1) religion's business is to interpret the Absolute to us and to tell us how we can get close to it. (2) religion is a superstition born of human wishes and fantasies.[1] It removes the importance of religion completely and reduces it to a sheer illusionary force. In both cases religion loses it's effect on a large part of the population as they lose "faith" in it. This conflict of multiple definitions causes people to ultimately give up hope in all their beliefs and leaves them in confusion, or perhaps contentment; if losing this faith means tranquility within them. This, in effect, is the key factor in which *din* differs from religion. The whole purpose of Islam as a *din* is to eliminate confusion by providing people with understanding, the development of human personality, and to establish a common set of rules that all people, Muslim or not, can follow and succeed.

To begin, an example of eliminating confusion by providing understanding is Islam's teachings on science. Science plays an important role in Islam as it provides people with answers about their surroundings. The Qur'an makes many references to science in the field of evolution and astronomy. Other religions of the world contradict the great body of scientific evidence supporting evolution. However, Islam

[1] Parwez G.A. Islâm a Challenge to Religion. p. 48

and said. "Baba (they call me Baba) Turkey got penalty kick" The thing was, that both of them were watching live Football match between Sweden and Turkey in their own room. Sweden was winning with 1-0. They came to me and asked me to see the penalty kick of Turkey. I switched over the TV channel. Turks did the goal and match finished 1-1 and each team got 1 point. Both my sons were very happy, while Swedish commentator on TV sounded so sorry as they were sure to beat Turkey. My sons are born in Sweden, but there sympathies were fully with TURKEY, a member of UMMAH. My sons are citizens of Sweden by birth, BUT there Nationality is ISLAM, that is what I worked on and want that we ALL should do.

After my sons left the room, (my tears had disappeared in the meantime) I switched back the TV on euronews channal, which was showing the killings of young Mohammad. The picture now on the screen was of a Palestinian woman going through a hospital corridor and shouting with full VOICE (known voice) ALLAH-o-AKBAR...........ALLAH-o-AKBAR.........ALLAH-o-AKBAR.

This known voice took over that unknown voice which I was hearing few moments before.

ALLAH HAFIZ

Tanvir Anjum Muftee- Sweden.

****

DARS-E-QURAN (IN URDU)

BAZM TOLU-E-ISLAM MANCHESTER (U.K)

EVERY **FRIDAY** FROM **8PM – 9PM**

AT

33 ST. GEORGES ROAD, FALLOWFIELD
MANCHESTER, M14 6SX

DARS-E-QURAN AUDIO AND VIDEO TAPES (URDU) AND ALL THE PUBLICATIONS BY ALLAMA PARWEZ ARE AVAILABLE IN OUR LIBRARY FOR LENDING.

PLEASE CONTACT:- MR. MEHFOOZ (0161 286 5496)
OR MR. R.QURESHI:- TEL & FAX NO. (01565 830278)

Unknown Voices

07-10-2000

Assalaam-o-Alaikum to ALL

A paper cutting of todays newspaper is in front of me. The Palestinian father, Jala al- Dura trying to save his 12-year-old son Mohammad, from the Israeli bullets. Father is shouting and son Mohammad is frightened and trying to hide behind his father.

Have you seen this sequence on your TVs? I did it. French photographer was filming it whole. Live sequence was that father Jalal desperately trying to hide the son but very next moment Mohammad was hit and falls in the arms of his father, with streams of blood running out from his head. And at the very next moment father Jalal is also hit. Son Mohammad died on the spot but father Jalal is rescued by some and is in intensive care in a hospital of Jordan.

That film is still obsessing me and sometime I am seeing myself with my 11 years old son. Some unknown voices, saying to me, "You are Muslim, soon it will be your turn. Are you ready for that? Are you ready to sacrifice your sons"?

Can we consider us safe, as some of us living in so called peaceful democratic countries? My reply is, " NO: NO: " Those unknown voices can be true.

Israel is a creation of UNO, and in its name anything can happen and be legitimated against us. I have to see Jalal and his son Mohammad as members of UMMAH. I have to see myself and my sons in between the bullets of enemies, just to feel the pain of that father and mother of 12 years old Mohammad. I swear none of us is secure. Just SEE the importance of UNI (Universal Nation of Islam). For me this is THE MOST important work to be done.

I am technically an idiot otherwise I want to attach this picture of Jalal and Mohammad in which Mohammad is still alive and trying to hide himself behind the shouting father.

Today, euronews showed the whole incidence again. I felt tears in my eyes but all of a sudden, both of my sons, 11 and 9 years old, came jumping and dancing

"It is in many ways a curious and interesting document. It shows part of a very old Greek and a very old Latin Bible which always do not exactly correspond. It shows traces of the work of several correctors, some of them very ancient. One can see how the original scribe, whenever he made a slip, washed it out with a sponge, and how he corrected with a pen nearly empty of ink. Later correctors scraped out with a knife what seemed to them incorrect, and so have in some places spoiled the manuscript. **But the most curious thing is the daring interpolations in the text,** most of which are entirely unsupported by other manuscripts. Most of them are probably worthless but yet it is not improbable that some of them may contain lost sayings and deeds of our Lord, such as St. John refers to in chapter 21:25." (Page 31).

The above quotations from the book of a Christian scholar are adequate testimony to our contention that with so many revisions of the text, the Word of God has become the word of man!

* * *

The two chapters from the book,
"The Bible, word of God or word of man?"
by A.S.K. Joommal
have been included in the Tolu-e-Islam Magazine as samples from this scholarly and well-researched book. The readers may send their orders to the Tolu-e-Islam Trust, Lahore.

ATTENTION PLEASE

Readers living in Pakistan or abroad should send their order for the Pamphlets

1- Why Do We Lack Character?

2- Why Do We Celebrate Eid?

Direct to Idara Tolu-E-Islam Lahore and not to the Bazm, London.

... sum up: the Bible consists, apart from the Apocrypha (which is accepted ... and rejected by others), of sixty-six books by various authors. The ... authorship of these books is disputed. There is no agreement between Catholics and Protestants as to what constitutes Biblical Canon; as to what books may be accepted as canonical.

The Catholic version includes some of the apocryphal books, but not all. Generally speaking, Protestants reject all apocryphal books as non-canonical though they may read and study them. In its sixth Article, the Church of England says of the apocryphal books that "the church doth read them for example of the life and instruction of manners but yet doth it not apply them to establish any doctrine."

The term "apocrypha" is generally applied to certain books of the Old Testament supposed to have been written between Malachi and Matthew.

A well-known authority on the sources of the Bible, Dr. J. Patterson Smyth, B. D., LL. D, writes in his book **"HOW WE GOT OUR BIBLE"** as follows: "Now let us remember clearly that as we look into that old Record Chest of nearly 1800 years ago, we have before us all the sources from which we get our Bible. And remember further that these writings were of course manuscripts i.e. written by the hand, and that copies when needed, had each to be written out, letter by letter, at a great expense of time and trouble, and unfortunately, I must add, very often too at some expense of the original correctness. However careful the scribe might be, it was almost impossible in copying a long and difficult manuscript, to prevent the occurrence of errors. Sometimes he would mistake one letter for another, sometimes, if having the manuscript read to him, he would confound two words of similar sounds – sometimes after writing in the last word of a line, on looking up again his eye would catch the same word at the end of the next line, and he would go on from that, omitting the whole line between. Remarks and explanations, too, written in the margin might sometimes in transcribing get inserted in the text. In these and various other ways errors might creep into the copy of his manuscript. These errors would be repeated by the men that afterward copied from this, who would also sometimes add other errors of his own. So that it is evident, as copies increased, the errors would be likely to increase with them." (Pages 10-11).

"Therefore we are able to detect faults even in our almost perfect Authorized Version – mistakes here and there which scholars have known of for some time past; verses where the rendering needed to be improved, and in a few instances **passages whose right to stand in the Bible at all was very doubtful.** In such cases I need hardly say that no amount of sentiment about our grand old Bible should prevent our making the corrections required." (Pages 17-18)

In connection with the Codex Bezae the same author says:

Next to them in antiquity are the Alexandrian Codex (in the British Museum), the Codex Ephraemi (in Paris), and the Codex Bezae (in Cambridge); the first two of these date from the 5th century, and the third from the 6th century. The Codex Bezae presents a number of peculiarities, and has readings not found in any other Greek manuscript, including the story of the man whom Jesus found working on the Sabbath.

When the Authorized Version was drawn up by James I's conference of learned theologians at Hampton Court in 1611, only quite late manuscripts were available to them for translation. The Hampton Court divines followed the **Textus Receptus** ("Received Text") which had been prepared by Erasmus of Rotterdam after extensive manuscript collation in the previous century. The Vatican Codex lay unknown to English scholars in the Papal Library. The Alexandrian Codex did not become accessible to scholars of Western Europe before the reign of Charles I, to whom it was presented by Cyril Lucaris, Patriarch of Constantinople. It was not until the 19th century that Tischendorf discovered the Sinaitic Codex. Eminent scholars, mostly members of the Church of England, consulted these and other valuable manuscripts and were responsible for the Revised Version (1881-1885), a version that has never been popular and provoked charges of sacrilege and blasphemy. A comparison of the two versions shows that the New Testament, as we have it, contains many interpolations as well as alterations of the original text affecting Christian dogma, sayings of Jesus and episodes of his life. The text about the Three Witnesses* (the Comma Johanneum = "Johannine Section" 1 John v, 7), a famous proof text of the dogma of Trinity, **is omitted from the Revised Version.** No Greek manuscript earlier than 15th century possesses it; the Greek and the African Fathers knew nothing of it, nor did Jerome, the author of the Vulgate. The earliest to quote it was a Western theologian, Priscillian (late 4th century), the first Christian to suffer death at the hands of Christian rulers for his heretical beliefs. The Revisers did not venture to omit Mark xvi, 9-20, but drew attention in a note to its dubious authenticity. This passage is absent from the Sinaitic Codex, from the Old Syriac, from nine of the older Armenian manuscripts, and also from the Codex Vercellensis – the oldest Latin manuscript.

Other manuscripts have a shorter and quite different ending for Mark. Stylistic and other variations from the rest of this Gospel here betray themselves.

The impressive story of the woman taken in adultery, which now forms part of John viii, is also queried by the Revisers. Most Greek manuscripts omit it, while some place it at the end of the Fourth Gospel, and others after Luke xxi, 38; it certainly fits badly in its present context.

---

* God the Father, God the Son, God the Holy Ghost

life, shows how hard it is to preserve the original ideas that might have been expressed in the scriptures for thousands of years without dictionaries, without the art of printing, and without the light of contemporaneous literature.

The manuscripts of the Old Testament were not alike, and the Greek version *differed from the Hebrew, and there was no absolutely received text of the Old Testament until after the commencement of the Christian era. Marks and points to* denote vowels were invented in the 7th century after Christ. Whether these vowels were put in the proper places or not is still an open question.

The Alexandrian version, or what is known as the Septuagint, translated by seventy learned Jews, assisted by "miraculous power" about two hundred years before Christ, could not have been, it is said, translated from the Hebrew text that we now have. The difference can only be accounted for by supposing that they had a different Hebrew text. The early Christian churches adopted the Septuagint and were satisfied for a time. But so many errors were found and so many were scanning every word in search of something to sustain their peculiar view, that several new versions appeared, all somewhat different from the Hebrew manuscripts from the Septuagint, and from each other. All these versions were in Greek.

The first Latin Bible originated in Africa, but no one has ever found out which Latin manuscript was the original. Many were produced, and all differed from each other. These Latin versions were compared with each other and with the Hebrew, and a new Latin version was made in the fifth century, but the old Latin versions held their own for about four hundred years, and no one yet knows which were right. Besides these, there were Egyptian, Ethiopian, and several others, all differing from each other as well as from all others in the world.

It was not until the 14th century that the Bible was translated into German, and not until the 15th century that Bibles were printed in the principal languages of Europe. Of these Bibles there were several kinds – Luther's, the Dort, King James's, Genevan, French, besides the Danish and Swedish. Most of these differed from each other, and gave rise to infinite disputes and crimes without number. The earliest fragment of the Bible in the "Saxon" language known to exist was written some time in the 7th century. The first Bible was printed in England in 1538. In 1560 the first English Bible was printed that was divided into verses. Under Henry VIII, the Bible was revised; again under Queen Elizabeth, and once again under King James. The last was published in 1611, and is the one now in general use.

The New Testament.

There are in existence manuscripts of the Armenian, Syriac, Coptic, Latin and *other versions. Until recently the Vatican Codex (in Rome) and the Sinaitic Codex* (formerly in Leningrad, except a few leaves in Leipzig, and now in the British Museum) were the oldest known manuscripts; they go back to the early 4th century.

documents, **and nobody knows when they were written**. Various estimates have been made as to the dates of their origin, but nothing is known for certain.

* * *

CHAPTER 2

THE OLD AND NEW TESTAMENTS

The Old Testament

The Old Testament was written some two thousand years before the invention of printing. It was written in Hebrew, a language composed entirely of consonants, without any points or marks indicating or standing for vowels, so that anything like accuracy was impossible. This could be tested if we write an English sentence leaving out the vowels. It would take far more inspiration to read than to write a book with consonants alone.

The books comprising the Old Testament were not divided into chapters or verses, and no system of punctuation was known. Furthermore there was no dictionary of the Hebrew language and thus the accurate meaning of the words could not be preserved.

The Old Testament was printed for the first time in 1488. Until this date it existed in manuscripts and was thus constantly exposed to erasures and additions. It is admitted by the most learned men in the Hebrew language, that the present English version of the Old Testament contains at least **one hundred thousand errors!**

It is not known for certain who in fact wrote any of the books of the Old Testament. For instance, it is now generally conceded that Moses was not the author of the Pentateuch. Other books, not in existence now, are referred to in the Old Testament as of equal authority, such as the books of Jasher, Nathan, Ahijah, Iddo, Jehu, and sayings of the Seers.

Christians themselves are in disagreement as to what books are inspired. The Catholics claim as inspired the books of Macabees, Tobit, Esdras, etc. Others doubt the inspiration of Ecclesiastes, Esther and the Song of Solomon. The latter two books do not mention the name of God, nor is reference made to any supreme being, nor to any religious duty. These omissions lay the books open to doubts regarding their divine teachings.

The fact that language is continually changing, that words are constantly dying and others being born; that the same word has a variety of meanings during its

Abbot. had directed this reform, was pouring forth a stream of corrupt texts within few years of his death!"[2]

The standard Bible produced by the University of Paris ih the 13th Century was based on a corrupt text, and so high an authority on the subject as the Dominican Father Denifle says that this proceeding "gave up the Bible to mere caprice". Nearly all printed editions based themselves on the texts of this standard Bible, which is the foundation of that to which the modern Catholic is pledged by the decree of Pope Clement VIII, issued in 1592. Sixtus V[3] published a version of the Vulgate in 1590, which "by the fullness of apostolic power" he ordered to be received by all the faithful as "true, lawful, authentic, and unquestioned, in all public and private discussion, reading, preaching, and explanations". To alter this version in the slightest degree entailed "the indignation of God and of the blessed Apostle Peter and Paul", as well as the penalty of the greater excommunication. The text of the version issued by Sixtus V was so "authentic" that it had to be corrected in more that two thousand places and re – issued, with these corrections, by Clement VIII only two years later.

The Authorized Version (1611) which so many treat as though it were the actual Word of God, comes at the end of a long series of English Bibles which begins with Wycliffe's translation of the Vulgate in the 14th Century. The Old Testament was composed in Hebrew, with the exception of parts of the Books of Ezra and Daniel, and Jeremiah X, 11 (a marginal note interlude in the text) which were written in Aramaic, while the New Testament was composed in Greek – not the Greek of Homer, Aeschylus, or Plato – but the Koine ("common") tongue which was spoken all over the Eastern Mediterranean region in the days of the Roman Empire. Hebrew is a much more defective language than Greek, and this may account for the fact that in many places the text of the Old Testament is corrupt and in others so confused that the translation is near guesswork. Professors W.O.E. Oesterley and T.H. Robinson write: "There is no book in the Old Testament which has suffered more from corruption than Hosea. There is hardly a single verse of which the reader can be sure that it has not been more or less altered. A large part of the text, as it stands, is meaningless, though sense can often be obtained by very silent changes."[4] Other books of the Old Testament exhibit textual corruptions, some in greater and others in smaller measure. In short what are known as Epistles, or letters, were written and to these, at a later date, names were given. These are also included in the New Testament. The books of the New Testament are not historical documents. No one knows who wrote them; nobody has reported ever having seen the original

---

[2] The Roman Catholic Church and the Bible (Mediaeval Studies No. 14, p. 20, p. 19 by G.G. Coulton).

[3] Sixtus V was Pope from 1585 to 1590. He was born in Italy in 1521, named Felice Peretti, and was successor of Gregory XIII.

[4] An Introduction to the Books of the Old Testament, p. 354.

CHAPTER 1

A BRIEF HISTORY OF THE BIBLE

A hundred years ago, Dean Burgon thundered from the pulpit of St. Mary's, Oxford: " The Bible is none other than the voice of Him that sitteth on the throne. Every book of it, every chapter of it, every verse of it, every syllable of it, every letter of it, is the direct utterance of the Most High...faultless, unerring, supreme."

The majority of Protestant Christians of that time thought of the Bible as he did. A much smaller proportion still thinks so. Although an extravagant claim is put forward by Bible Societies and other fanatics that the Bible is the most-read book in the world, the contrary is true. Very few people read it, and fewer still study it, even though they may attend church where portions of it are read out to them in an often dull, sing-song voice that holds very little meaning to them. To the ordinary reader or hearer, the chapters and verses of the Bible seem to be a sacred fetish of words.

In fact the ignorance and bigotry of fanatics who may have considerable knowledge of its contents but are usually unconversant with questions of textual or historical criticism, the task of the sober student is hard indeed.

Christian apologists, however, do not claim anymore that "every syllable" is "the utterance of the Most High". A distinction is made between revelation and inspiration. Dean Burgon's description of the Bible obliterates this distinction. In spite, however, of the clear negation in Pope Leo XIII's encyclical Providentissimus Deus (1893), of the possibility of error on the part of the inspired writers, the apologists have argued that errors may occur in the sacred text, though such errors are not put forward as statements of truth.

St. Jerome was the author of the Vulgate[1] which he produced between 383 and 420 A.D. with the encouragement of Pope Damasus. His work was necessitated by the corrupt state into which the old Latin version (dating from the late second or the early third century) had long since fallen. In the course of time Jerome's translation itself became corrupt. Alcuin reformed the text under the great Emperor Charlemagne (742-814), but "even the Monastery of St Martin de Tours, from which Alcuin, as

[1] Vulgate: Latin version of the Bible most widely used in the West.

"The Bible, word of God or word of man?"

PREFACE

The manuscript of this book was ready in 1965, but due to delays and other circumstances, it did not see the light of publication.

A part of this book, however, – THE RIDDLE OF THE TRINITY AND THE "SONSHIP" OF CHRIST – was published in 1965. It met with immediate success. Thousands of copies were printed and distributed all over South Africa, East and West Africa, Nigeria, Kenya, Tanzania and Ghana. The demand was unceasing and with the clamour for more of these booklets growing, Pakistan (Karachi) published another 50,000 copies for local and African distribution.

The booklet was translated into the Swahili language in May 1967, and published by Malik Sirajuddin and Sons, Lahore, Pakistan.

The commotion created by it in the South African Church circles may be gauged by a bold headline in the "Transvaler", a morning Afrikaans daily based in Johannesburg, which said: "HIERDIE MOHAMMEDAAN SLAAN 'N SEER HOU" – (This Mohammedan Strikes a Painful Blow).

It is to be hoped that the whole book will now enjoy the same success and wide readership as its predecessor – an integral part of it – did.

A.S.K. JOOMMAL

Johannesburg.
November, 1975.

••••••••••••••••••••••••••••••••••

PREFACE TO THE THIRD IMPRESSION (2000)

After the first two impressions (1976 and 1991) were completely sold out, the thirst for knowledge among the seekers of truth remained unquenched. The demand for more and more of this book grew beyond expectation.

Sponsorship for publication is always a difficult thing to come by. This fact kept its reprinting on ice. However, one stalwart Muslim, KHALID MAHMOOD ZAMAN, with a verve and enthusiasm unmatched by any young man of comparable age, came forward, travelling from LEEDS (England) to LAHORE (Pakistan) in order to finance and oversee the reprinting of THE BIBLE: WORD OF GOD OR WORD OF MAN?

The **Tolu-e-Islam Trust** undertook the publication and distribution, for which I am profoundly indebted to them.

To KHALID MAHMOOD ZAMAN I say: May Allah (SWT) reward you abundantly for your indefatigable efforts in His Path.

A.S.K. JOOMMAL

...IA, South Africa.